عدل اور سماجی انصاف

حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی

297.32
م 26 ع
80407

عدل اور سماجی انصاف

حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی

297.32
ع26ق
۸۰۵۷

نام کتاب :- عدل اور سماجی انصاف

مصنف :- حجۃ الاسلام و المسلمین محسن قرائتی

مترجم :- ذاکر حسین جعفری

سال طبع :- ذی القعدہ ۱۴۱۷ھ

ناشر :- سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی (ادارۂ ترجمہ و اشاعت)

ISBN 964-472-029-6

فہرست

عرض ناشر ۹
عدل الٰہی ۱۱
خدا کے صفات سے متعلق ہماری شناخت ۱۳
عدل کو ہم اصول دین سے کیوں سمجھتے ہیں ۱۵
پہلا نکتہ ۱۷
عدل کے معنی ۱۷
دوسرا نکتہ ۲۰
تیسرا نکتہ ۲۶
عدل الٰہی سے متعلق سوالات کی تحقیق ۲۸
چوتھا نکتہ ۳۴
پانچواں نکتہ ۴۲
معاشرہ ساز فرق ۴۴
انسان کے ایجادات میں مشکلات کا حصہ ۴۹
چھٹا نکتہ ۵۰
ضروری توجہ ۵۵
بچے کا گناہ کیا ہے ۶۲

ایک بہترین سرگذشت ۶۶
تفاوت اور فرق خدا کو پہچاننے کا راز ہے ۶۸
سماجی انصاف ۶۹
عدل تمام منصوبوں کا تانا بانا ہے ۷۰
سماجی انصاف کا رابطہ الٰہی مکتب فکر سے ۷۱
عدالت بنیادی شرط ہے ۷۴
عدالت کی اہمیت اسلامی روایات میں ۷۵
عدالت کی اہمیت ۷۶
عدالت قائم کرنا انبیاءؑ کا ایک مقصد ۷۶
سماجی عدل و انصاف کے بعض نمونے ۷۸
وہ مقام جہاں عدالت اسلامی اموال کو ضبط کرتی ہے ۸۰
مُردوں کی اعداد شماری ۸۲
لوگوں کو خریدنے کا امامؑ کو مشورہ ۸۳
اسلام میں مساوات ۸۴
ایک غلط روش پر اعتراض ۸۵
مکتب فکر اور دکان رکھنے میں فرق ہے ۸۵
ایک روٹی کی عادلانہ تقسیم ۸۶
کچھ لوگوں کے لئے اعتقاد خراب نہ کریں ۸۷
ایک نامناسب توقع کا جواب ۸۸
فیصلوں کو سطحی طور پر نہ لیں ۸۹

جب مہمان کو بھی باہر کرتے ہیں ۸۹
قرآن مجید کا سخت اعتراض ۹۰
حضرت علیؑ کی عدالت کا ایک دوسرا نمونہ ۹۱
جو کام کوئی شخص نہیں کرتا ۹۱
امامؑ کی دقت نظر کا دوسرا نمونہ ۹۲
حضرت علیؑ پر غیر مناسب اعتراض ۹۳
عدالت رفتار میں ۹۴
کاغذ بازی نہ کریں ۹۴
اپنا حصّہ بڑھانے کی کوشش ۹۵
عہدہ سے غلط فائدہ اٹھانا ممنوع ۹۶
اسلام میں برابری کا ایک اور نمونہ ۹۷
عزیز داری ممنوع ۹۷
حکومت اسلامی میں حکومت چلانے والے بھی کوڑے کھاتے ہیں ۹۸
منہ بند رکھنے کی قیمت دی جائے ۹۹
کمالات کی بناپر زیادہ حصہ نہیں لینا چاہیے ۱۰۰
امامؑ کا شدید اعتراض ۱۰۱
امامؑ کا عمر کو آگاہ کرنا ۱۰۱
امامؑ نے عدالت کو کیوں ترک کیا ۱۰۲
عدالت کے نمونہ ۱۰۳
بحث و عمل میں ضد ۱۰۳

عدالت کفار اور دشمنوں کی نسبت ۱۰۴
قرآن کریم میں منصفانہ قصاص ۱۱۰
عبادت میں میانہ روی ۱۱۱
تعریف و اعتراض میں میانہ روی اور عدالت ۱۱۲
عدالت، محبت اور اعتراض کے بارے میں ۱۱۲
اخراجات میں میانہ روی ۱۱۳
گھر کی چار دیواری میں عدالت ۱۱۴
اقتصاد میں عدالت ۱۱۵
کام کی مقدار ۱۱۵
تقسیم کرنے میں عدالت ۱۱۶
فائدہ اٹھانے اور خرچ کرنے میں عدالت ۱۱۷
پیغمبرؐ و ائمہؑ اور فقہاء، عدالت کے محافظ ہیں ۱۱۸
مسلمان نماؤں کی پہچان ۱۱۹
فقیہ، سماجی عدالت پر حفاظت کا ذمہ دار ہے ۱۱۹
ولی فقیہ، سماجی عدالت کا مضبوط سہارا ہے ۱۲۰
خاتمہ ۱۲۲
ایک حقوقی داستان یا ایک فقہی قاعدہ ۱۲۲
عدالت سے انحراف کے عوامل ۱۲۳
وہ آیت جس نے پیغمبرؐ کو بوڑھا بنادیا ۱۲۶
سماجی عدالت کا قیام ایک عام نگرانی سے وابستہ ہے ۱۲۷

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

عدل ہمارے شیعی اعتقادات میں ایک اصل کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے . توحید ہی کی طرح عدل الہیٰ کی اصل بھی اہمیت اور جامعیت کے اعتبار سے خاص مقام رکھتی ہے . اگر چہ عالم اسلام کا ایک بڑا طبقہ عدل الہیٰ کو ایک اصل کی حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا . یہ چیز صرف مذہب شیعہ کے خاص اعتقادات میں سے ہے ، خدائے عادل و حکیم کی حکمت کا سرچشمہ یہ پوری کائنات اور اس کا عادلانہ و منظم نظام ہے جس میں ایک لحہ کے ہزارویں حصہ میں بھی ظلم و بے عدالتی اور بے نظمی نہیں پائی جاتی .

کائنات کا نظام عدل ہی اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ خدائے قدیر عادل ہے ..... قیامت میں بھی " بعض مکاتب فکر کے عقیدہ کے بر عکس من مانی نہیں کرے گا " بلکہ عدل کی بنیاد پر سب کا حساب و کتاب کرے گا .

ہمارے نظریہ کے مطابق ہماری منظم اور انصاف کی بنیادوں پر استوار بہترین زندگی کا سرچشمہ بھی عدل الہیٰ ہی ہے یہ واضح سی بات ہے کہ کیسی بھی انسانی معاشرہ میں نا انصافی اور ظلم کو برداشت نہیں کیا جاتا جب الہیٰ فطرت پر خلق شدہ

انسان عدل و انصاف کو پسند کرتا ہے تو کون سا ذہن یہ سوچ سکتا ہے کہ اس فطرت کا خالق خود ہی عادل نہ ہو ....

" عدل اور سماجی انصاف " اس موضوع پر آقائے قرائتی کی ایک دلکش تحریر ہے. جسے پڑھ کر قارئین کرام یقیناً مطمئن ہوں گے...

جناب آقائے قرائتی نے اس اصل کی روشنی میں جن نئے خطوط کی نشاندہی کی ہے ہمارا جوان علمی طبقہ ان سے ضرور فائدہ اٹھائے گا.

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین و صلی اللّٰہ علی سیدنا محمد و اہل بیتہ و لعنۃ اللّٰہ علی اعدائہم اجمعین

عدل الٰہی

ہم توحید کی بحث میں الٰہی مکتب فکر اور توحید و شرک کے مسئلے کو بطور خلاصہ بیان کرچکے ہیں اب ہم اپنے اعتقاد کی دوسری قسم (عدل) کو بیان کریں گے .

ہم خداوند عالم کی عطا کردہ عقل کی طاقت کے ذریعہ اچھائیوں اور برائیوں کو محسوس کرتے ہیں ، اور اس بات کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ ظلم و ستم بری چیز ہے اور عدالت اچھی چیز ہے اور اس بات کے معتقد ہیں کہ خدا قبیح اور برا کام نہیں کرتا ظلم و ستم اس میں ہرگز نہیں ہے کیونکہ تمام مظالم جو ہم انسان کے اندر مشاہدہ کرتے ہیں ان کا سر چشمہ مندرجہ ذیل امور میں سے کوئی ایک ضرور ہوتا ہے .

۱۔ جہالت :۔ کبھی جہالت اور نادانی ظلم کی جڑ ہوتی ہے ، مثال کے طور پر

انسان نہیں جانتا کہ سفید فام اور سیاہ فام آپس میں کوئی فرق نہیں رکھتے، لیکن سفید فام برتری کے تصور اور خیال سے، سیاہ فام پر ظلم و ستم ڈھاتا ہے. اس ظلم کی جڑ جہالت یا خود خواہی ہے لذا ممکن ہے کہ انسان گھٹیا قسم کے تصورات و خیالات و انحرافات اور جہالت و کم علمی کی بنا پر ایسے کام انجام دے جن کا نتیجہ ظلم و ستم کے سوا اور کچھ نہیں ہے لیکن وہ خدا جس کے یہاں جہل کا گذر نہیں اور جس کا علم بے پایان ہے، اس سے کیسے ممکن ہے کہ ظلم سرزد ہو.

۲:- خوف :- کبھی ظلم کا باعث خوف ہوتا ہے، مثلاً ایک طاقت اپنی حریف طاقت سے خوفزدہ ہوتی اور ڈرتی ہے کہ اگر وہ حملہ نہ کرے تو اس پر حملہ کیا جائیگا. لہذا حفظ ماتقدم اور حملہ کی روک تھام کی غرض سے دوسری طاقت پر ظلم کرتی ہے. یا مثلاً طاغوتی طاقتیں اپنی حکومت کی جڑیں مضبوط کرنے کی غرض سے اور آزادی خواہوں پر کنٹرول حاصل کرنے کی خاطر ظلم و ستم کا سہارا لیتی ہیں، لیکن کیا خدا کا بھی کوئی حریف اور مدّ مقابل ہے یا خدا اپنی حکومت اور قدرت کو مضبوط بنانے کا محتاج ہے؟

۳:- ضرورت اور کمی :- کبھی ضرورت اور نیاز ظلم کی عامل ہے. ممکن ہے مادی یا روحی ضروریات کسی کو مجبور کریں تا کہ وہ کوئی قبیح عمل انجام دے اور دوسرے پر ظلم و ستم کرے.

۴:- ممکن ہے بعض مظالم انسانوں کی اندرونی خباثت کی وجہ سے ہوں :- بعض کی یہ عادت ہے کہ وہ دوسروں کو تکلیف پہنچانے اور یا ان کو تکلیف

میں مبتلا دیکھ کر لذت محسوس کرتے ہیں .

اب جبکہ آپ ظلم کی جڑوں اور سرچشموں سے واقف ہو گئے ان میں سے کون سے امور خداوند میں پائے جاتے ہیں جو اس میں ظلم کا باعث قرار پائیں ؟ قرآن اس سلسلے میں فرماتاہے "وماللہ یریدظلماً للعالمین" (آل عمران / ۸) خداوند کسی بھی موجود کی نسبت ظلم کا ارادہ بھی نہیں رکھتا ہے .

وہ خدا جو ہم میں عدالت کا حکم دیتا ہے " ان اللہ یامر بالعدل والاحسان " (نحل / ۹۰) کیسے ممکن ہے کہ وہ خود ظلم کرے ؟ کیسے ممکن ہے کہ خداوند کمزور انسان کو حکم دے جو سرکش غرائز و جذبات کے طوفان میں گھرا ہواہے ایک قوم کی جانب سے مشکلات اور عداوتوں میں گھرا ہے ، اس کو تو عدالت کا حکم دے کہ یہ تمام باتیں اس کی بے انصافی کا سبب نہیں ہونیں چاہیے . " ولایجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا " (مائدہ / ۸) لیکن خود اپنی بے نہایت قدرت کے باوجود جو کسی قسم کے غریزہ و جذبہ سے متاثر نہیں ظلم کرے ؟ !

خدا کے صفات سے متعلق ہماری شناخت

خداوندعالم کے صفات کے متعلق شناخت کی راہ خود خدا وند کی شناخت کے مانند ہے .

مثلاً جس طریقہ سے آپ تحریر سے لکھنے والے کو پہچانتے ہیں اور لکھنے والے کے خط اور تحریر کی حالت سے بھی باخبر ہوتے ہیں ، اس کے کلمات سے آپ بخوبی

سمجھتے ہیں کہ لغات کے بارے میں اس کی معلومات کتنی ہے ، اس کے مضمون کے ذریعہ اس کی تحریر کی قدرت کو سمجھتے ہیں ، اس کے مطالب سے آپ لکھنے والے کے مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں پس ہر بنانے و پیدا کرنے والا ، دو کام انجام دے سکتا ہے .

۱:۔ اپنی ایجاد کو پہچنوائے .

۲ ۔ اپنی ایجاد کے مقصد وحالات اورصفات کو سمجھائے [1] .

۱:۔ البتہ باقی تمام صفات جو خدا کیلئے ہیں قدرت اور علم کے مانند نہیں ہیں خدا کی صفات کی دو قسمیں ہیں .

الف :۔ وہ صفات جو اس کی ذات سے جدا نہیں ہیں مانند علم و قدرت و حیات .

ب :۔ وہ صفات جو اس سے جدا ہو سکتے ہیں جیسے خالق ہونا کیونکہ یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ خدا ہو لیکن خلق نہ کرے لیکن یہ تصور نہیں کیا جاسکتا کہ خدا ہو لیکن علم و قدرت نہ رکھتا ہو . البتہ خدا ہر کام کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن حکمت کے خلاف کام نہیں کرتا ہے مثلاً ہم خود کو اندھا کرنے پر قدرت رکھتے ہیں لیکن ایسا نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ عمل حکیمانہ نہیں ہے ، پس قدرت ہے لیکن اس سے استفادہ اسی وقت میسّر ہے جب عمل عدل و حکمت اور گذشتہ وعدوں سے ہم آہنگ ہو اور وہ خدا جس نے وعدہ کیا ہے کہ مؤمنوں کو بہشت اور فاسقوں کو جہنم میں بھیجے گا . اب اگر اپنے وعدے کے خلاف کرے تو یہ وعدہ خلافی ہوتی ہے اور یہ عمل قبیح ہے ، اورخدا ہرگز اپنی قدرت کے ذریعہ سے برا کام نہیں کرتا ہم جو کہتے ہیں کہ خدا ظلم نہیں کرتا ہم نے اس کی قدرت کو محدود نہیں کیا ہے بلکہ یہ عین حکمت ہے جو اس بات کا موجب بنتی ہے کہ قدرت کومناسب جگہ میں استعمال کیا جائے .

عدل کو ہم اصول دین سے کیوں سمجھتے ہیں ؟

باوجود اس کے ، کہ خداوندعالم کے صفات بہت زیادہ ہیں جیسے حکمت ، قدرت ، خالقیت ، علم و ..... ، یہ کیوں کہتے ہیں کہ عدالت اصول دین سے ہے ؟ اور یہ کیوں نہیں کہتے کہ اول توحید دوسرے حیات ، یا اول توحید دوسرے علم ، بلکہ ان سب کی جگہ یہ کہتے ہیں کہ اول توحید دوسرے عدل ؟

جواب :۔ کیونکہ مسلمانوں کا ایک چھوٹا طبقہ (فرقہ اشعری) خدا کے عادل ہونے کو ضروری نہیں سمجھتا ، وہ اس بات کے قائل ہیں کہ جو کام خدا چاہے اور جو انجام دے وہی درست ہے ، اگرچہ وہ کام ہماری عقل کے نزدیک ایسے ہوں جو مسلما قبیح ، برے اور ظلم پر مبنی ہیں ! مثلاً وہ کہتے ہیں اگر خداوند عالم امیرالمؤمنین علی علیہ السلام کو دوزخ اور ان کے قاتل " ابن ملجم " کو جنت میں بھیجے تو اس کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہے لیکن ہم اس منطق کو قبول نہیں کرتے اور خدا کی عدالت کو اپنے اصول عقائد کا جزو سمجھتے ہیں اور ہم منطق عقل اور آیات قرآن کے مطابق کہتے ہیں کہ خدا کے تمام کام حکمت اور عقل سے انجام پاتے ہیں

اور اس کے تمام کام حکیمانہ ہیں ، اس سے ایسا کام سرزد نہیں ہو سکتا جو ظلم پر مبنی اور قبیح ہو . اس کے علاوہ خداوند عالم کی عدالت پر ایمان رکھنا مختلف جہات سے انسان کی زندگی کی تعمیر میں ایک عجیب اثر رکھتا ہے .

۱ :- گناہوں کے مقابلہ میں خود کو کنٹرول کرنا ، کیونکہ جب انسان یہ جان لے کہ اس کی گفتار اور کردار خدا کے زیر نظر ہے اور وہ ذرہ برابر بھی اس کے اعمال کے متعلق غفلت نہیں کرتا ہے . اور وہ ہر کام کی جزاء یا سزا پائے گا . لہذا اپنے آپ کو اس دنیا میں بغیر کسی قید و شرط کے آزاد تصور نہیں کرتا (اس سلسلے میں قرآن کریم میں متعدد آیات موجود ہیں)

۲ :- عدل الھی کا معتقد انسان نظام تخلیق کے ، متعلق خوش بیں ہوتا ہے کیونکہ وہ خداوند عالم کو عادل سمجھتا ہے لہذا تلخ حوادث اس کے لیے شیریں ہیں اور ایسا شخص کسی حال میں بھی کبیدہ خاطر اور مایوس نہیں رہتا ہے .

۳ :- عدل الھی پر ایمان انسان کی فردی اور اجتماعی زندگی میں عدالت بر قرار ہونے کا محرک بھی ہے ، جو شخص خدا کے عادل ہونے کا معتقد ہے وہ اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگی میں عدل کو قبول کرنے پر آمادہ ہے .

پہلا نکتہ

عدل کے معنی

بنیادی مسئلہ

عدل کی بحث میں بنیادی مسئلہ ، اعتراضات کا جواب ہے . ہم ان اعتراضات کے جواب میں کبھی روایات اور آیات کی مختصر توضیح کے ہمراہ کچھ دوسرے نکات کو بھی بیان کرینگے .

پہلا نکتہ :- عدل کے معنی ، خدا عادل ہے یعنی وہ کسی مخلوق کے حق کو پامال نہیں کرتا ہے ، وہ ہر موجود کے ساتھ کائنات کے حکیمانہ نظام کے مطابق لطف کرتا ہے ، اور حقوق کا پامال کرنا ظلم ہے . پس عدل اور ظلم وہاں ہے جہاں کوئی حق مدّ نظر ہو .

اب ہم دیکھتے ہیں کہ آیا کوئی شخص خدا سے کسی چیز کا مطالبہ رکھتا ہے اور موجودات کا پہلے سے کوئی حق تھا جو پامال ہوا اور کوئی ظلم وجود میں آیا ؟ کیا ہم پہلے سے موجود تھے یا ہماری کوئی چیز موجود تھی جو چھن گئی ہو ، یا پامال ہو گئی ہو ؟ البتہ دنیا کے موجودات میں بہت سے فرق ہیں ، ایک جماد کی شکل میں ہے ، ایک نباتات اور گیاہ ، ایک حیوان اور ایک انسان کی شکل میں ہے لیکن کوئی بھی موجود

ومخلوق پہلے سے کوئی حق اور وجود نہ رکھتی تھی. جس سے اس کو روکا گیا ہو، مثلاً ایک بڑی قالین کو ٹکڑے ٹکڑے کریں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ قالین پہلے بڑی تھی اور ٹکڑے ہوجانے کی وجہ سے اس نے اپنے بڑے وجود کو کھودیا لیکن اگر ہم نے شروع سے ہی ایک چھوٹا سا قالیچہ تیار کیا ہو تو قالیچہ اعتراض اور فریاد کا حق نہیں رکھتا کہ مجھے چھوٹا کیوں بنایا؟ اس لیئے کہ وہ پہلے کچھ نہیں تھا اور اصلاً اس کا بڑا وجود ہی نہیں تھا. جو کسی نے چھینا ہو اور اس پر ظلم ہوا ہو.

خداوند عالم نے تمام موجودات کو اپنے حکیمانہ فرق کے ساتھ پیدا کیا اس سے قطع نظر کہ کوئی مخلوق یا موجود پہلے سے کوئی حق یا مطالبہ رکھتی ہو، اور اس نے دنیا میں ایک نظام قائم کیا (نظام علت و معلول) اور ہر موجود کیلیئے ایک مناسب راستہ مقرر کردیا، اور وہ جو انتظار و توقع رکھتا ہے یا ذمہ داری اور فرمان دیتا ہے یا جو ثواب و (عذاب) ہے، اس میں ایک نسل کا دوسری نسل کے ساتھ یا ایک قوم کا دوسری قوم کے ساتھ یا ایک فرد کا دوسرے فرد کے ساتھ کسی بھی تبعیض کا قائل نہیں ہوا. اس نے حکم و جزا و سزا میں امکانات کی رعایت اور تناسب کو مدّ نظر رکھا اور اس نظام میں کسی قسم کا کوئی ظلم نہیں ہے. آپ ایک کارخانہ کو فرض کیجیئے جو چھوٹی چھوٹی میخیں اور پیچ بھی بناتا ہے اور بڑی گاڑی کے ٹائر بھی. کیا آپ اپنے آپ کو اس بات کی اجازت دیں گے کہ کارخانے کے بانی کو ٹائروں، پیچ، مہرہ و میخ کے مابین فرق کی خاطر ظلم کی نسبت دیں؟ اور کیا میخ و پیچ اعتراض کا حق رکھتے ہیں؟ البتہ اس کا جواب منفی ہے کیوں کہ ہم میں ایک گاڑی اور مشین کے

نظام میں اور چھوٹی میخوں کی ضرورت ہے اور اسی طرح بڑے ٹائروں کی بھی لیکن ایک زمانے میں ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں تھا اور کارخانے کے بانی نے ان دونوں کو مصلحت کے مطابق دو مختلف کاموں کیلئے بنایا، یہاں پر صرف ظلم کی ایک صورت باقی رہتی ہے اور وہ یہ کہ ہم ٹائر کے بوجھ کو پیچ اور مہروں پر رکھیں، لیکن اگر ہر حصہ ایک کام کیلئے بنایا گیا ہو اور اس کی ظرفیت سے زیادہ کوئی چیز ہم نے اس پر بار نہیں کی، اور اُن میں سے کوئی بھی نہ تو پہلے سے موجود تھیں اور نہ کارخانے کے مالک سے کوئی مطالبہ اور نہ کوئی حق رکھتی ہیں، اور کارخانے کا مالک بھی ان سے ان کے اندازہ اور ظرفیت سے زیادہ توقع نہیں رکھتا ہے اس صورت میں کسی قسم کا ظلم قابل تصور نہیں ہے اب جب کہ عدل اور ظلم کے معنی واضح ہوگئے ایک نکتہ کی جانب توجّہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ عدل کے معنی ہر جگہ اور ہمیشہ مساوات اور برابری کے معنی میں نہیں ہیں، اگر ایک استاد تمام شاگردوں کو (شاگرد کی زحمت اور تحصیل علم کی مقدار کو مد نظر رکھے بغیر) مساوی نمبر دے یہ انتہائی ظلم ہے۔ ایک ڈاکٹر بیماروں کی حالت کو مدّ نظر رکھے بغیر تمام بیماروں کو مساوی دوا دیدے یہ ظلم ہے۔ استاد اور ڈاکٹر کی عدالت ان دو مثالوں میں یہ ہے کہ نمبر اور دوا، متفاوت اور مختلف دیں لیکن یہ تفاوت اور اختلاف تبعیضی نہیں ہے یہ طبیعی فرق ہے اس میں اپنائیت، غیریت اور سفارش وغیرہ نہیں ہے، بلکہ تمام فرق حکمت پر مبنی ہیں لہذا ہر قسم کی نابرابری اور تفاوت جب تک حکمت کے مدار اور کسوٹی سے خارج نہ ہو جائے ظلم نہیں ہو گا۔

دوسرا نکتہ

خدا کے عدل پر بہت سے اعتراضات سطحی اور عجولانہ (جلد بازی) فیصلوں کی وجہ سے ہیں. ہماری قضاوت اور فیصلہ سطحی اور عجولانہ ہے.

چند مثالوں پر توجہ کیجئے:

فرض کیجئے اسلامی حکومت علاقہ میں لوگوں کی فلاح و بہبود کی خاطر ایک ۴۵ میٹر چوڑی سڑک بنانے کا حکم دیتی ہے، اس سڑک کا وجود عوام کی ضروریات اور گاڑیوں اور جمعیت کی کثرت کی بنا پر ضروری ہے لیکن ہر سڑک بنانے میں ایک گروہ اور طبقہ سردرد میں مبتلا ہوتا ہے تا کہ مکان کے پیسے حکومت سے لیں اور دوسرا مکان بنائیں اور زحمات و مشکلات کو برداشت کریں لیکن کچھ لوگوں کے رنج کی خاطر قوم کی بنیادی ضرورت اور عوام کی فلاح و بہبود کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا، اسلام میں جو اہمیت فردی حقوق اور مالکیت کو ہے اس سے کہیں زیادہ اجتماعی حقوق مورد توجہ قرار پائے ہیں.

مثلاً امیر المؤمنین علی علیہ السلام مالک اشتر سے فرماتے ہیں: " جن لوگوں نے عوام کی ضرورت کے اموال کو چھپا رکھا ہے انھیں حاضر کرو اور پھر وعظ و نصیحت

اور نہی عن المنکر کرنے کے بعد اگر وہ پھر اپنے عمل کو جاری رکھیں اور اس پر قائم رہیں تو ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ "[۱] پھر فرماتے ہیں "اموال کو مخفی اور چھپانے کا عمل اگر چہ ایک فرد کیلئے مفید ہے . لیکن اجتماع کیلئے باعث ضرر و زیاں ہے"[۲] دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں " حکومت کو چلانے میں تمہاری توجّہ عام لوگوں کی فلاح بہبود پر رہے چاہے خواصؐ اس سے ناراض ہو جائیں ".

ایک داستان :- ایک شخص کے گھر میں ایک کتا تھا ، یہ شخص سامان خریدنے کیلئے گھر سے باہر گیا اور شیر خوار بچے کو گھر میں تنہا چھوڑ گیا اس امید پر کہ جلدی واپس آجائے گا . جب واپس آیا تو کتا خون آلودہ منہ کے ساتھ اس کے استقبال کو آیا ، اس نے دل میں سوچا کہ کتے نے بچے پر حملہ کیا اور اس کو چیر پھاڑ ڈالا ہے ، اس نے غصّہ کی حالت میں ریوالور نکال کر کتے پر فائر کردیا . اور پھر جلدی سے گھر میں داخل ہو گیا لیکن یہاں پر صورت حال کچھ اور تھی ماجرا کچھ اس طرح تھا ، کہ ایک بھڑیا گھر میں جو شہر سے باہر واقع تھا داخل ہوتا ہے اور چونکہ دروازے کھلے تھے کمروں میں داخل ہوتا ہے اور بچے پر حملہ کرتا ہے ، کتے نے بچے کی حمایت کی اور کافی تلاش کے بعد بھیڑئے کو اپنے پنجوں اور دانتوں کے ساتھ بچے کی طرف ہٹاتا ہے اور اس کو زخمی کر کے پھاڑتا ہے لیکن صاحب خانہ کی جلد بازی اس بات کا موجب بن گئی کہ بجائے شکریہ کے اس نے کتے کو مار ڈالا !

۱۔ " فنکل به " یعنی اموال مخفی کرنے والوں کے ساتھ سختی سے پیش آؤ (نہج البلاغہ).

۲۔ " ذالک باب مَضَرۃ لِلعامۃ " یعنی اموال مخفی کرنے کا عمل قوم کو نقصان پہنچانے کیلئے ایک راستہ ہے (نہج البلاغہ)

گھر کا مالک اپنے کام پر پشیمان ہوا اور کتے کی طرف آیا تا کہ اس کو مرنے سے بچا سکے لیکن جو کام ہونا تھا وہ ہو چکا اور کتا مر گیا تھا. اور پشیمانی کا کوئی فائدہ نہیں تھا وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے کتے کی دو کھلی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا. تلف شدہ کتے کی کھلی ہوئی آنکھوں سے میں نے اس فریاد کو دل کے کانوں سے سنا کہ:

اے انسان تو کس قدر جلد بازی کرتا ہے، کتنی جلد تو قضاوت کرتا ہے؟ کیوں گھر میں جائے بغیر اور صحیح اطلاع حاصل کئے بغیر تو نے مجھے مار ڈالا. گھر کے مالک نے اس افسوس ناک واقعہ پر ایک مقالہ اس عنوان کے تحت "اے انسان تو کتنی جلدی قضاوت کرتا ہے" لکھا شاید کچھ لوگ ایسے ہوں جنہوں نے دعائیں کی ہوں اور مستجاب نہ ہوئی ہوں اور پھر متوجہ ہوئے ہوں کہ کتنا اچھا ہوا کہ دعا مستجاب نہ ہوئی.

سطحی اور عجولانا فیصلوں پر قرآن کا انتقاد انہی سطحی اور جلد باز فیصلوں کی خاطر قرآن ہم کو ہمیشہ خبردار کرتا ہے کہ اے انسان تیرے بہت سے خیالات اور توہمات کوئی بنیاد نہیں رکھتے.

کیونکہ بہت سی چیزیں جو تمہاری نظر میں بری ہیں اور آپ ان کی نسبت کراہت رکھتے ہیں لیکن در حقیقت وہ آپ کے لئے مفید اور باعث نفع ہیں. اور بہت سی چیزیں جن کو تم دوست رکھتے ہو لیکن در حقیقت وہ تمہارے لئے شر ہیں. مثلاً جہاد کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ آپ اس کو ابتدائی اور سطحی تشخیص میں

برا سمجھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ تمہارے لئے اچھا ہے[۱].

جنگ اور جہاد استعدادوں کو رونق عطا کرتا ہے صلاحیتوں کو آشکار بناتا ہے اور رہبر عالیقدر حضرت امام خمینیؒ کے ارشاد کے مطابق انسان کے وجود کا جوہر جنگ میں پروان چڑھتا ہے جنگ اور لڑائی میں جو صفیں نعرہ لگاتی ہیں اور جو صفیں عمل کرتی ہیں ایک دوسرے سے جدا ہو جاتی ہیں جنگ ہم مقصد قوتوں کو آپس میں متحد کرتی ہے جنگ انسان کو عظمت اور شرف عطا کرتی ہے اور اصولاً ظلم ستم کی شکار قوم کی حیات کی علامت جنگ کرنا ہے.

سورۂ نساء آیہ ۱۹ میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ بسا اوقات تم ایک چیز کو ناگوار سمجھتے ہو لیکن خدا نے اس میں خیر کثیر قرار دیا ہے[۲].

اگر ہم (حسبان) کی لغت اور معنی اور اس کے مشتقات کو قرآن سے نکالیں تو ہم دیکھیں گے کہ قرآن کس قدر پے درپے ہمیں ڈراتا ہے کہ ایسا تصور نہ کرنا ، ایسی فکر نہ کرنا ، اس قسم کا گمان نہ کرنا ، اور اس کے مانند دوسری تعبیرات سے جو سبھی سطحی اور عجولانہ فیصلوں پر مبنی ہیں.

۱۔ " کتب علیکم القتال وهو کره لکم و عسیٰ ان تکرهوا شیئا و هو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئا و هو شرلکم " سورہ بقرہ آیہ / ۲۱۶ جہاد تم پر واجب کیا گیا جب کہ یہ حکم تم پر سنگین اور گراں ہے اور تمہاری کراہیت کا باعث ہے لیکن بسا اوقات ناگوار چیز در حقیقت مفید ثابت ہوتی ہے اور مفید چیز ناگوار ثابت ہوتی ہے.

۲۔ عسی ان تکرهوا شیئا و یجعل الله فیه خیرا کثیرا.

عجولانہ فیصلہ کا دوسرا نمونہ

ہم قرآن میں یوں پڑھتے ہیں کہ فرشتوں نے جو انسان کی نسبت عمیق اطلاع نہیں رکھتے تھے) بارگاہ خدا میں عرض کیا کہ ہم تیری تسبیح کرتے ہیں ہماری عبادت کے باوجود تو کیوں مفسد انسان کو پیدا کرتا ہے ؟ لیکن چوں کہ خدا وند چاہتا تھا کہ اپنا ایک لائق جانشین زمین پر قائم کرے لہذا ایک ہلادینے والے ماحول میں انسان کو بہت سے علوم عطا کر کے فرشتوں پر یہ ثابت کیا کہ انسان کے بارے میں ان کی فیصلہ سطحی اورعجولانہ ہے . مختصر یہ کہ اگر ہم خدا کے عدل کی بحث میں کسی شبہہ سے دوچار ہوجائیں کہ اگر خدا عادل ہے تو پھر کیوں ایسا اور کیوں ویسا ہے تو ، ہم میں توجّہ کرنا چاہیے کہ ہمارے فیصلے اور ہماری تشخیص کچھ زیادہ درست نہیں ہیں اور بہت سے مسائل اور ان کے اسرار ہم پر پوشیدہ ہیں ہم علمی ، فکری اور تجربی لحاظ سے بھی محدود ہیں بہت سال اور عرصہ گزر گیا اور ہم جنگلوں کے وجود کو بے کار سمجھتے تھے لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ انھیں جنگلوں سے درجنوں قسم کے مادے نکالے گئے جن سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے .

کئی سال تک یہی کہتے تھے کہ لوزوں کا وجود بے فائدہ ہے اور اب کہتے ہیں کہ لوزہ سفید قسم کے خلیے بناتا ہے . جو جراثیموں کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں ایک مدت تک چھوٹی آنت کو ایک بیکار چیز سمجھتے تھے اور آج کہتے ہیں کہ یہی اپنڈیس ، سرطان کے ساتھ مقابلہ میں موثر ثابت ہو سکتا ہے .

اگر ہم کسی ایسی کتاب کا جو عالی اور قیمتی مطالب پر مبنی ہے مطالعہ کریں

لیکن ہر چند سطروں کے بعد ایک ایسے کلمہ پر پہنچیں جس کے معنی معلوم نہ ہوں تو ہم میں جلدی قضاوت نہیں کرنی چاہیے اور مؤلف یا مصنف کے سلسلہ میں غلط فیصلہ نہیں کرنا چاہیے بلکہ اپنی فہم پر نظر ثانی کرنی چاہیے.

اب جب کہ ہم عدل کے معنی سمجھ گئے اور ہم میں معلوم ہو گیا کہ بہت سے اعتراضات کی وجہ ہمارے سطحی اور عجولانہ فیصلہ ہیں اب ہم تیسرے نکتہ پر توجہ دیتے ہیں. جس میں ہم انسان کی ناراحتی کے علل و اسباب اور عوامل کی تلاش کریں گے.

تیسرا نکتہ

اپنی پریشانیوں کے اسباب کی جستجو

ہم ناگوار حالات پیدا کرنے میں خود اپنے کردار سے غافل ہیں اور سب کو بغیر کسی سبب کے خدا کے حساب میں شمار کرتے ہیں اس طرح اعتراض شروع کردیتے ہیں کہ اے خدا اگر تو عادل ہے تو فلاں مصیبت اور پریشانی کیوں مجھ پر نازل ہوئی ؟ ظاہر ہے کہ بہت ساری پریشانیاں خودہماری پیدا کردہ ہیں ، مثلاً حفظان صحت کے اصولوں کی رعایت نہیں کرتے تو بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں . نہی عن المنکر کے ذریعہ فحاشی اور فساد کی روک تھام نہیں کرتے(وہ بھی اپنے تمام زاویوں کے ساتھ) تواشرار ہمارے سر پر مسلط ہوجاتے ہیں اور پھر ہماری دعا و فریاد بھی بے اثر ہو جاتی ہے ، گھر کے حوض پر اگر لوہے کی جالی نہیں لگائیں گے تو بچہ اس میں گِر کر ڈوب سکتا ہے .

اس موضوع میں بھی ہمیشہ کی طرح قرآن کی راہنمائی حاصل کرتے ہوئے چند آیات کو اس سلسلے میں بیان کرتے ہیں .

۱. ”و ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم “ (شوری/ ۳۰)

ہر قسم کی سختی اور مصیبت جس سے تم دوچار ہوتے ہو یہ ان کاموں کا نتیجہ

ہے جنھیں تم نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا ہے اور پریشانیاں پیدا کرنے کا سبب خود آپ ہی ہو.

۲:۔ "وان تصبھم سیئة بما قدمت ایدیھم اذاھم یقنطون" (روم/۳۶)

اگرلوگوں کو خود ان کی بد اعمالی کی وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے تو فوراً ہمارے لطف سے مایوس ہوجاتے ہیں.

اس آیت میں بھی سختی اوربرائی کے وجود کا عامل خود ہماری روش بتائی گئی ہے.

۳:۔ " واما اذا ما ابتلیه فقدر علیه رزقه فیقول ربی اھانن" (والفجر)

خداوند عالم نے جب بھی انسان کو امتحان میں مبتلا کیا اور اس کو سختی سے دوچار کیا تو اس کی فریاد بلند ہوجاتی ہے اور یہ کہتا ہے کہ خدا نے میری اہانت کی ہے اور اس نے اپنا لطف مجھ پر کم کیا ہے ، جب کہ ان کمیوں کی دلیل اور سبب کو اسے خود اپنے اندر تلاش کرناچاہیے پھر آیت کے بعد والے حصہ کو ہم یوں پڑھتے ہیں.

" کلا بل لاتکرمون الیتیم و لاتحاضون علی طعام المسکین"

یعنی ہر گز خدا کسی کی روزی اور مقدر کو بغیر کسی سبب کے منقطع نہیں فرماتا اگر آپ اپنے آپ کو سختی میں مبتلا پاتے ہیں تو یہ اس وجہ سے ہے کہ آپ نے یتیم پرکرم نہیں کیا. اور لوگوں کو معاشرے کے محروموں کو کھانا کھلانے اور مدد پہنچانے کیلئے آمادہ نہیں کیا ، تمہاری یہ بے توجہی اورسرد مہری خدا کے قہر و غضب کا باعث

ہوئی یہ آیت بھی خدا کے لطف میں فرق کا باعث ، ہمارے اعمال کو قرار دیتی ہے .

۲:۔ "فکفرت بانعم اللہ فاذاقھا اللہ لباس الجوع و الخوف" (نحل/ ۱۱۲)

اس آیت میں خداوند عالم ایک ایسے دیہات کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ جس میں نعمتوں کی بہتات اور فراوانی تھی لیکن اس کے باشندوں نے ان نعمتوں سے انکار کیا ، خداوند عالم نے بھی اس کے باشندوں کو خوف اور بھوک میں مبتلا کیا یہ آیت بھی اس بات کی طرف واضح اور روشن اشارہ کرتی ہے کہ بہت سی مشکلات کا عامل اور باعث خود ہماری ناشکری اور کفران نعمت ہے[1].

عدل الٰھی سے متعلق سوالات کی تحقیق

تیسرے نکتہ میں ہم نے بیان کیا کہ بہت سی مشکلات کا باعث خود ہمارے اعمال ہیں یہ ہم ہیں کہ اپنی ناروا رفتار کے ساتھ خدا کے قہر و غضب اور مشکلات سے دوچار ہو جاتے ہیں اس سلسلے میں کچھ سوالات بیان کئے جاتے ہیں .

۱:۔ ہم زندگی میں ، ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جو کسی قسم کے ظلم وستم سے دریغ نہیں کرتے جب کہ وہ خوشی اور آرام کی حالت میں بھی ہیں ! آپ جو یہ کہتے ہیں کہ مشکلات ہمارے اعمال کی وجہ سے ہیں تو فلاں شخص جس کا کردار ہم

۱۔ سورۂ کہف آیہ ۶۸۔ حضرت خضر کے ہمراہ حضرت موسی کی داستان جو سورۂ کہف میں بیان ہوئی ہے اور اسکے باوجود کہ حضرت خضرؑ نے پہلے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ مجھ سے خارق العادہ کام سرزد ہونگے چونکہ آپ ان کے امور سے واقف نہیں . لہذا ان کو برداشت نہیں کرینگے ، لیکن حضرت موسیٰؑ نے کہا انشا اللہ میں صبر کرونگا تجربہ نے ثابت کیا کہ اسرار سے بے خبری سبب بن گئی کہ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور وہ حضرت خضرؑ سے جدا ہو گئے .

سے بدتر اور جس کا ماضی ہم سے زیادہ خراب ہے ہماری طرح مشکلات اور تکالیف میں کیوں مبتلا نہیں ہوا ؟

جواب :- آیات اور روایات کو مدّ نظر رکھتے ہوئے تمام لوگوں اور گروہوں کا حساب کتاب خدا کے نزدیک یکساں نہیں ہے .

۱ :- ایک گروہ کو فوراً سزا دیتا ہے .

۲ :- ایک گروہ کو کچھ مدت تک مہلت دیتا ہے .

۳ :- ایک گروہ کو آخر عمر تک ان کے تمام مظالم کے باوجود سزا نہیں دیتا ہے اور قیامت کے لیئے چھوڑ دیتا ہے . کیو نکہ ہم اپنے مکتب فکر میں دنیا کو قیامت سے جدا تصور نہیں کرتے ہیں .

ایک معلّم ممکن ہے اپنی کلاس کے شاگردوں کیلئے چند قسم کی روش سے کام کرے بعض افراد کو فوری قہر و غضب کے ساتھ تنبیہ کرے ، اور بعض کی نسبت کچھ مدت تک مہلت سے کام لے اور بعض کے متعلق جو سب سے بدتر ہیں کسی قسم کا رو عمل ظاہر نہ کرے اور سب کو سال کے آخرتک امتحان کے نمبر دینے تک کیلئے چھوڑ دے . اس قسم کا فرق اور تفاوت خداوند عالم کی جانب سے حکیمانہ ہے کیونکہ خطاکار افراد ، انکا حوصلہ اور نوعیّت عمل آپس میں یکساں اور برابر نہیں ہے کہ برابری کا حساب بھی کیا جائے . کبھی معلّم ایک ممتاز شاگرد کی غلطی پر سخت رد عمل ظاہر کرتا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگوں سے اس کام کی توقع نہیں رکھتا ، جب کہ معمولی اور برے شاگردوں کی نسبت اس قسم کا شدید رد عمل دیکھنے میں نہیں آتا .

قرآن کریم میں ہم پڑھتے ہیں کہ خداوند عالم پیغمبروں اور اولیاء کو کبھی ایک عمل کی وجہ سے (کہ جو گناہ بھی نہیں ہے) سخت مورد اعتراض قرار دیتا ہے کیونکہ وہ ان ہستیوں سے ایسی توقع نہیں رکھتا. لیکن دوسرے افراد کے متعلق ہم پڑھتے ہیں "جعلنا لمهلكهم موعداً" (کہف / ۵۸) دیہات کے باشندوں کے ظلم کے بعد ہمارا انکو ہلاک کرنا کچھ مقررات کے مطابق اور ایک معیّن تاریخ میں انجام پذیر ہوگا. ایسا نہیں ہے کہ جونہی لوگ خطا کریں ہم فوراً ان کو مختلف قسم کی بلاؤں میں مبتلا کردیں بلکہ ہماری سزا میں، وعدہ، صبر اور فرصت کا بھی بیان ہے.

"ويستعجلونك بالعذاب و لن يخلف الله وعده" (حج / ۴۷)

ہم اقوام کی ہلاکت کی تاریخ لوگوں کیلئے بیان کرتے ہیں یہ کفار کہتے ہیں کہ ہم پر کیوں عذاب نازل نہیں ہوتا اور ہم کفر و ظلم و ستم کے باوجود اسی طرح عیش و آرام میں ہیں. یہ خدا کے عذاب اور قہر کی جانب جلدی کرتے ہیں جب کہ خدا اپنے وعدہ پر عمل کرے گا لیکن ابھی اس کی مدت نہیں پہنچی ہے.

لہذا کبھی خداوند عالم ظالم لوگوں کے متعلق فوری طور پر ردعمل ظاہر نہیں کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے. " فامليت للذين كفروا ثم اخذتهم " (رعد / ۳۲) میں شروع میں کفار کو مہلت دیتا ہوں اور پھر انکو گرفتار کرتا ہے.

کفار کو مہلت دینے کے متعلق بھی خدا ارشاد فرماتا ہے:

" لا يحسبن الذين كفروا انما نملي لهم خير لانفسهم انما نملي لهم ليزدادوا اثماً و لهم عذاب مهين" (آل عمران / ۱۷۸) وہ لوگ جو کافر ہو گئے (اور انھوں نے

سرکشی کی راہ کواختیارکرلیا) یہ گمان نہ کریں کہ ہم ان کو جو مہلت دیتے ہیں وہ ان کے لیئے مفید ہے ہم ان کو مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کریں اوران کا پیمانہ بھر جائے اس کے بعد ذلیل اور رسوا کرنے والا عذاب ان کی گھات میں ہے .

امام حسینؑ کو شہید کرنے کے بعد یزید نے اپنے آپ کو کامیاب سمجھا ، لیکن جناب زینب علیہا السلام نے اس کے لیے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا کہ تیری موجودہ قدرت ، کامیابی ، آزادی اور عیش اس لیے ہے تا کہ تیرے گناہوں کا بار سنگین تر ہوجائے اور بنیادی طور پر یہی وقتی عیش و آرام عذاب کا بہترین وسیلہ ہے کیونکہ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم بعض لوگوں کو زیادہ آرام عطا کرتے ہیں تا کہ خوب اس سے دلچسپی پیدا کریں پھر اچانک ہم اس عیش کو چھین لیتے ہیں تا کہ وہ حسرت و یاس کی آگ میں جلیں " فلمّا نسوا ما ذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شی حتی اذا فرحوا بما اتوا اخذناھم بغتۃ فاذاھم مبلسون" (انعام / ۴۴)

جب انھوں ہماری نصیحتوں کو فراموش کیا اور عملاً ہمارے فرامین و دستورات سے بے توجہی و بےاعتنائی کا اظہار کیا تو ہم نے ہر چیز کا دروازہ ان پر کھول دیا ، خوشی اورراحت نے ہر طرف سے انکو گھیر لیا تا کہ وہ شاد اورخوشحال ہوں اور اس سے دل لگالیں پھر اچانک ہم نےتمام خوشیوں کو جن سے وہ دل لگائے ہوئے تھے ان سے چھین لیا یہ اسلیے کہ حیرت و یاس وغم کی آگ ان کو اندر سے جلا دے ، اس قسم کے لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ایک درخت کی بلندی کی

طرف چڑھتا جارہا ہے اور اپنے خیال میں وہ کامیاب ہے لیکن اس کے نیچے گرنے سے اسے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا بلندی کی طرف جانا اس کے عذاب کا مقدمہ تھا البتہ جیسا کہ خداوندعالم اس قسم کے افراد کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے ایک دوسرے گروہ کے متعلق جو قابل اصلاح ہوتے ہیں اور ان کے اندر امید کی کرن موجود ہوتی ہے ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے "ولِیُذِیقهم بعضَ الذی عملوا لعلهم یرجعون" (روم / ۴۱) ان کے برے اعمال کی نسبت ہم تلخ سزا کا کچھ حصہ انھیں چکھاتے ہیں تا کہ وہ لوٹ آئیں اور انکی اصلاح ہوجائے شاید آیات کی یہ مقدار، اس سوال کے جواب کیلئے کافی ہوگی کہ کیوں بعض افراد ہرقسم کی غلطی اور برے اعمال کرنے کے باوجود پھرآرام و راحت ہیں اورکیوں بعض افراد کو میرے عمل کی فوراً سزا مل جاتی ہے۔

یہاں پرفرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم کچھ روایات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ہم میں آگاہ کرتی ہیں کہ اگرآپ مسلسل اور پے در پے گناہوں کا ارتکاب کرتے رہیں اور اپنی زندگی میں خدا کے قہر و غضب کے آثار کو مشاہدہ نہیں کرتے ہیں تواس بات سے ڈریں کہ کہیں آپ تنبیہ و قابلیت کے مدار و محور سے خارج تو نہیں ہو گئے اور صرف بری عاقبت اور جہنم ہی آپکا ٹھکانا ہو۔ کبھی بیمار کا حال اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ ڈاکٹر اس کو چھوڑ دیتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ کھانا چاہتا ہے اس کو کھانے دو۔ کوئی اورنسخہ نہیں لکھتا بعض ایسے لوگ ہیں جو اسقدر گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں خدا کی روش ان کے ساتھ ایسی ہوجاتی ہے کہ وہ

ناراض ہو کر یہ کہتا " اعملوا ما شئتم " (فصلت / ۴۰) جو کام چاہو انجام دو (یا جو مرضی آئے کرو) پیغمبران خدا بھی جب لوگوں کے دعوت قبول کرنے سے مایوس ہوجاتے تھے تو ان سے کہتے تھے "یا قوم اعملوا علیٰ مکانتکم" (ہود / ۹۳) اے لوگو جو اپنی باطل روش پر اصرار کرتے ہو جو چاہتے ہو کرو۔ دعاؤں میں اکثر ہم پڑھتے ہیں " الھی لاتکلنی الیٰ نفسی" اے خدا مجھ کو اپنے حال پر رہا نہ کرنا.

مختصر یہ کہ کبھی خدا کا قہر اسی عیش و آرام کے ذریعہ ہوتا ہے جو ستمکاروں کو توبہ کرنے سے روکتا ہے اور قیامت کی سزا ان کی کمین گاہ میں ہے.

چوتھا نکتہ

کبھی انسان کوئی گناہ اور تقصیر نہ کرنے کے باوجود مشکلات سے دوچار ہو جاتا ہے ، عدل الھی اور ان مشکلات کے متعلق قرآن کا تجزیہ کیا ہے ؟

جواب :- قرآن کریم میں تقریبا بیس ۲۰ مرتبہ الھی امتحان کے بارے میں بتایا گیا ہے لہذا انسان کے متعلق خدا کی حتمی سنتوں اور منصوبوں میں سے ایک منصوبہ اس کا امتحان لینا ہے اور یہ مشکلات الھی امتحان کے اسباب میں سے ایک سبب ہے ، جس طرح سے خوشیاں اس امتحان کیلئے ایک دوسرا وسیلہ اور ذریعہ ہیں .

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے " ولنبلونکم بشی من الخوف والجوع و نقصٍ من الاموال والانفس والثمرات و بشّرالصابرین " (بقرہ / ۱۵۵)

بلاشبہ ہم خوف ، بھوک ، قحطِ مال و جان اور میوؤں کی کمی کے ذریعہ تمہیں آزمائیں گے اور وہ لوگ جو ان حوادث میں ثابت قدم رہتے ہیں اور صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں ان کو خوشخبری سنادو .

یہاں پر چند مسئلوں کے بارے میں بحث ہونی چاہیے .

۱ :- کیا خدا نہیں جانتا کہ کون شخص کیسا ہے جو مشکلات کے ذریعہ امتحان لیتا ہے ؟

۲:۔ آزمائش اور امتحان کے وسائل واسباب کیا ہیں ؟

۳:۔ لوگوں کا ردعمل تلخ و ناگوار حوادث کے مقابلے میں کیسا ہے ؟

۴:۔ مشکلات پر فائق آنے کا راستہ کونسا ہے ؟

پہلا مسئلہ

یہ بات واضح ہے کہ خدا کا امتحان ہماری صورتحال ، حوصلہ اور عمل سے متعلق علم و آگاہی کی خاطر نہیں ہے کیونکہ وہ ہر قسم کی فکر و عمل سے پہلے جانتا ہے کہ ہم کیسے فکر کرتے ہیں اور ہم کیسے عمل کرینگے ، بلکہ امتحان کا مقصد یہ ہے کہ ہم سے کوئی ایسا کام انجام پائے جس کے ذریعہ ہم جزا یا سزا کے مستحق قرار پائیں کیونکہ خداوند اپنے علم کے مطابق کسی شخص کواس کی خوبی اور بدی کی جزا اور سزا نہیں دیتا ہے[۱] (جب تک اس نے کوئی عمل نہ انجام دیا ہو)

دوسرا مسئلہ

دوسرے موضوع کے متعلق بھی ہم نے عرض کیا کہ تمام تلخ اور شیرین حوادث انسان کے امتحان کے اسباب اور وسائل ہیں .

قرآن میں ارشاد ہوتاہے "ونبلوکم بالشر والخیر" (انبیاء/۳۵) انسان کی جان اور مال امتحان کے اسباب اور وسائل ہیں . "لتبلون فی اموالکم و انفسکم " (آل عمران / ۱۸۶) یقیناً تمہارا امتحان تمہارے اموال اور تمہاری جان کے ذریعہ لیا جائیگا .

۱۔ اس معنیٰ کو ہم نے حضرت علی علیہ السلام سے نقل نہج البلاغہ میں استفادہ کیا ہے . تفسیر نمونہ جلد اول .

تیسرا مسئلہ

میرے دوستوں میں سے کسی نے کہا تھا کہ حوادث کے مقابلے میں لوگوں کی چہار قسمیں ہیں۔

ایک گروہ ایسا ہے کہ جونہی وہ تلخ حوادث سے روبرو ہوتا ہے تو اس کی آہ و فریاد بلند ہو جاتی ہے، یہ گروہ خدا کے عدل اور اس کے لطف و حکمت اور پیدائش و تخلیقی نظام کو برا کہنے لگتا ہے۔

قرآن اس گروہ کا یوں تعارف کراتا ہے " اذا مسہ الشر جزوعا " (معارج / ۲۰) جونہی ان لوگوں تک کوئی سختی یا شر پہنچا ہے ان کی آہ و فریاد بلند ہونے لگتی ہے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو سختیوں کو استقامت اور پائیداری کے ساتھ برداشت کرتے ہیں اور دل و زبان سے کہتے ہیں" ہم سب خدا کیلئے ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جائینگے " (بقرہ / ۱۵۵)۔

تیسرے گروہ نے دوسرے گروہ سے زیادہ رشد پیدا کیا ہے کیونکہ وہ سختیوں کے مقابلے میں نہ صرف صبر و تحمل کرتے ہیں بلکہ شکر بھی بجا لاتے ہیں۔ لہذا زیارت عاشورا میں ہم یوں پڑھتے ہیں "اللھم لک الحمدحمد الشاکرین لک علی مصابھم "[۱] اے خدا میرا شکر تیری بارگاہ میں ویسا ہی شکر ہو جیسا شکر امام حسینؑ کے ساتھیوں کا ہے۔ ہاں بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان کی سب سے بڑی

۱۔ ان جملوں میں سے ہے جو زیارت عاشورہ کے آخر میں سجدہ کی حالت میں پڑھے جاتے ہیں۔

تمنا خدا کی راہ میں سختی اور شہادت کو تحمل کرنا ہے اور جونہی وہ اپنی اس آرزو تک پہنچتے ہیں شکر ادا کرتے ہیں۔

چوتھا گروہ جو تیسرے گروہ سے بھی دو قدم آگے ہے اس میں وہ لوگ ہیں جو مشکلات پڑتے وقت نہ صرف خدا کے لطف اور اس کے عدل سے بدبین نہیں ہیں اور نہ صرف صبر یا شکر کرتے ہیں بلکہ والہانہ طور پر مشکلات کا استقبال بھی کرتے ہیں۔ ہم قرآن میں پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعض صحابی آپ کی خدمت میں پہنچے اور انھوں نے جنگ میں شرکت کرنے کیلئے جنگی وسائل اور امداد کا تقاضا کیا، پیغمبرؐ نے فرمایا "میرے پاس کوئی وسیلہ (تلوار یا گھوڑا) نہیں ہے جس کے ذریعہ تمہاری مدد کروں وہ روتے ہوئے پلٹ گئے کہ ہم اپنے آپ کو سپاہ اسلام تک پہنچا سکے اور کیوں نہ اپنی جان کو اسلام کی راہ میں فدا کر سکے (سورہ توبہ / ۹۲)

ہاں عوام کا ادعمل حوادث کے مقابل میں مختلف ہے۔ اگر آپ تند قسم کی پیاز ایک بچے کو دیں جونہی بچہ اس پر دانت رکھتا ہے، اس کو دور پھینک دیتا ہے، اس کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگتے ہیں، لیکن اسی تند پیاز کو باپ تلاش کر کے خرید کر لاتا ہے۔ زندگی کی سختیاں اور تلخیاں بھی اسی طرح کی ہیں ایک ان سے بھاگتا ہے اور دوسرا ان کا استقبال کرتا ہے۔

چوتھا مسئلہ

ہم نے عرض کیا کہ خدا عادل ہے اور بعض مشکلات کبھی ہمارے امتحان کی خاطر ہیں تا کہ ہماری باطنی صلاحیتیں اجاگر ہو جائیں اب یہ دیکھیں کہ ہم میں کیا

کرنا چاہیے تا کہ حوادث پر کامیاب ہو سکیں اس مسئلہ میں بھی ہمیشہ کی طرح قرآن کے سائے میں راستہ تلاش کریں ، وہ راستے جو اس سلسلے میں قرآن دکھاتا ہے اس طرح ہیں ۔

۱:۔ ایک الٰہی مکتب فکر رکھنا ۔

قرآن کریم صابرلوگوں کی ستائش و مدح میں فرماتاہے کہ یہ لوگ ایک الٰہی کائناتی تصور رکھنے کی خاطرحوادث کے مقابلے میں کہتے ہیں کہ ہم خداکیلئے ہیں ذاتی طور پر مستقل نہیں ہیں ، اور اس سے کسی چیز کا مطالبہ بھی نہیں رکھتے ہمارا آنا ، ہمارا وجود اور ہماری نعمتیں سب اس کی ہیں اور ہم صرف امانتدار ہیں ۔

یہ ایک طرف دوسری طرف یہ کہ دنیا ہمارے لیئے ایک گذرگاہ ہے ، یہ ہمارے لیئے ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہم کیوں گئے ہم مرنے کے بعداس کی طرف جاتے ہیں اور ہرگز ختم نہیں ہو جاتے ۔

جیسے اب موجود ہیں مرنے کے بعد بھی موجود رہیں گے ، اس میں کوئی فرق نہیں ہے صرف ہمارے رہنے کی جگہ بدل جاتی ہے ہم محو نہیں ہو جاتے ، یہ کائناتی نقطۂ اور نظر انسان کو صحیح طور پر حوادث کے ساتھ مقابلے کیلئے آمادہ کرتا ہے ، ہاں ، بجا طور پران کا یہ نظریہ اور " انا للہ وانا الیہ راجعون " (بقرہ / ۱۵۶) کے جملے میں ظاہر ہو جاتا ہے ۔

۲:۔ الٰہی سنتوں کے بارے میں اطلاع

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ انسان کوئی جدا اور الگ تھلگ چیز نہیں ہے جو

بغیر کسی رنج ، تکلیف اور زحمت کے بہشت تک پہنچ جائے بلکہ لازم ہے کہ دوسری قوموں اور شخصیتوں کی طرح سخت ترین حوادث میں مبتلا ہو .

"ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولمّا یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم مستھم الباسا والضراء وزلزلوا حتیٰ یقول الرسول والذین امنوا معه متی نصر اللہ الا انّ نصر اللہ قریب" (بقرہ ۲۱۴)

کیا آپ گمان کرتے ہیں کہ گذشتہ امتوں کے حوادث سے روبرو ہوئے بغیر آپ بہشت میں داخل ہو جائینگے ؟!

تم سے پہلے مؤمنین وہ لوگ تھے کہ مختلف قسم کی سختیاں جب ان تک پہنچیں یہاں تک کہ ان سب کو اضطراب نے گھیر لیا اور پیغمبرؐ اور مؤمنین نے کہا کہ خدا کی مدد کہاں ہے لیکن آپ آگاہ رہیں کہ خدا کی مدد نزدیک ہے . اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اہل حق تاریخ میں سخت ترین مشکلات سے دو چار ہوئے ہیں ، اب تمہاری باری ہے لہذا نہ مشکلات کوئی نئی چیز ہیں اور نہ ان سے روبرو ہونے والے صرف تم ہو . یہ ایک تاریخی فارمولہ اور سنت ہے جس کو طے ہونا ہے . قرآن بارہا پیغمبر اکرمؐ سے فرماتا ہے کہ فلاں امّت ، گروہ یا شخصیت کی تاریخ کو دیکھو تاکہ یہ فکر نہ کرو کہ سختیاں آپ ہی کیلئے تازہ ہیں[1] .

۱۔ تمام آیات " واذکر فی الکتاب ابراھیم " (مریم / ۴۱) " واذکر فی الکتاب موسی " (مریم / ۵۱) میں اسی سنت الٰہی کی طرف اشارہ ہے اور سورہ احقاف آیت نمبر ۳۵ میں ہم پڑھتے ہیں " واصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل " یعنی آپ بھی تمام انبیاء کی طرح صبر کرنا کیجئے .

ہاں اگر انسان یہ جان لے کہ سختیاں بھی ایک قانون ، سنت ، عمومی اور سب کیلئے ہیں تو بیشتر آمادگی پیدا کرتا ہے .

رمضان المبارک کے مہینے میں جب سب لوگ روزہ سے ہیں توآپ بھی آسانی کے ساتھ روزہ رکھتے ہیں کیونکہ یہ ایک عمومی عمل ہے لیکن ماہ رمضان کے علاوہ جب کوئی بھی شخص روزہ سے نہیں ہے تو آپ کے لیے تنہا روزہ رکھنا مشکل ہے قرآن جونہی روزہ کا حکم دیتا ہے ساتھ ہی ارشاد فرماتا ہے کہ : اے مسلمانو تم یہ خیال نہ کرو کہ یہ حکم صرف تمہارے لیے مخصوص ہے بلکہ تم سے پہلے کی امتیں بھی روزہ رکھتی تھیں " کما کتب علی الذین من قبلکم " ہاں البتہ گذشتہ تاریخ کے بارے میں علم و جانکاری انسان کی بردباری اور صبر میں کافی موثر ہے جیسا کہ مستقبل کے اسرار کے بارے میں علم بھی ، صبر و تحمل کے میدان میں اپنا اثر دکھاتا ہے .

حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا : کیونکہ تو میرے کام کے اسرار سے واقف نہیں لہذا کم ہمتی دکھاتے ہو " و کیف تصبر علی ما لم تحط بہ صبراً " [1]

۱۔ سورۂ کہف آیہ ۶۸ ۔ حضرت خضر کے ہمراہ حضرت موسی کی داستان جو سورۂ کہف میں بیان ہوئی ہے اور اس کے باوجود کہ حضرت خضرؑ نے پہلے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ مجھ سے خارق العادہ کام سرزد ہونگے چونکہ آپ ان کے امور سے واقف نہیں . لہذا ان کو برداشت نہیں کرینگے ، اور حضرت موسیٰؑ نے کہا انشا اللہ میں صبر کرونگا لیکن تجربہ نے ثابت کیا کہ اسرار سے بے خبری سبب بن گئی کہ ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا اور وہ حضرت خضرؑ سے جدا ہوگئے .

۳ :- خداوندعالم کے حضور میں کامل توجہ اور یہ کہ وہ میری بات سنتا ہے ، میرے کام کو دیکھتا ہے اور وہ مشکلات کو آسان کرتا ہے . خدا وندعالم حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ سے فرماتا ہے تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور اپنے مقا صد بیان کرو میں تمہارے ساتھ ہوں تمہارے کام کو دیکھتا ہوں اور تمہاری گفتگو سنتا ہوں "انی معکما اسمع واریٰ " (سورۂ طٰہٰ ۴۶) اسی طرح خداوندعالم نے حضرت نوحؑ کو حکم دیا کہ ہمارے زیر نظرکشتی تیار کرو "واصنع الفلک باعیننا" (سورۂ ھود ۳۷) حضرت نوحؑ نے جونہی کشتی بنانا شروع کی کفار کا ہر گروہ جو ان کے پاس سے گذرتا تھا ان کا مذاق اڑاتا اور کہتا ، کیا تم نے پیغمبری کا کام چھوڑ کر نجاری کا کام پکڑ لیا ہے ! ان طعنوں کے مقابلے میں جس چیز نے حضرت نے نوحؑ کو پائیدار بنا رکھا تھا وہ خداوندعالم کا یہ جملہ تھا کہ اے نوحؑ تم ہمارے سامنے ، تمہارا کام ہمارے زیر نظر ہے اس قسم کا ایمان اورجذبہ پائیداری و استقامت کو انسان کے اندر زندہ کرتاہے .

۴ :- چوتھی چیز جو استقامت کی روح ، انسان کے اندر زندہ کرسکتی ہے وہ اس کے اجر و جزا پر توجہ رکھنا ہے،کیونکہ انسان کیلئے سختیوں کو برداشت کرنا آخرت کے عظیم اجر و ثواب کے ہمراہ ہے پورے قرآن میں اس قسم کے امتیازات کے نمونے پائے جاتے ہیں.

۵ :- پانچویں طاقت جو انسان کو استقامت عطا کرسکتی ہے وہ صبر دعا اور نماز کے ذریعہ خدا سے مدد طلب کرنا ہے .

"واستعینو ابالصبر والصلوۃ" (سورہ بقرہ ۴۵ و ۱۵۳) اور سورہ اعراف میں یوں ہے "واستیعنوا باللہ" اس مطلب کا خلاصہ یہ ہوا کہ خداوندعالم عادل ہے اور وہ مشکلات جن سے ہم دوچار ہوتے ہیں۔ خدا کی طرف سے امتحان کے طور پر ہیں اور لوگوں کی ان امتحانات کے سلسلے میں چار قسمیں ہیں نیز وہ راستے جو ہم میں امتحانات میں کامیاب بنا سکتے ہیں بیان کیے گئے ہیں۔

پانچواں نکتہ

بہت سے شبہات جو عدل الٰہی کے متعلق بیان ہوئے ہیں وہ کج فہمیوں اور نہ سمجھنے کی بناپر ہیں کہ ہم بغیر کسی توجہ کے خدا پر اعتراض کر بیٹھتے ہیں مثلاً ہم تصور کرتے ہیں کہ موت فنا کا نام ہے اور اعتراض کرتے ہیں۔ کہ فلاں شخص کیوں مرگیا ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا رہنے کی جگہ ہے اور یہ تصور کرتے ہیں کہ کیوں لوگ زلزلہ یا سیلاب یا بیماری کیوجہ سے مرجائے ہیں۔

ہم یہ تصور کرتے ہیں کہ دنیا عیش و آرام کی جگہ ہے اور یہ کہتے ہیں کہ سختی اور مصیبت کیوں ہے۔ ہماری مثال اس شخص جیسی ہے جو تقریر کے ہال میں داخل ہوتے ہی اعتراض کرنا شروع کر دے کہ چائے کیا ہوئی کھانا کیوں نہیں لاتے ہیں، آرام کرنے کے لیے بستر کیوں نہیں ہے! وغیرہ وغیرہ!

یہ تمام سوالات اور اعتراضات صرف ایک خیال اور تصور کی وجہ سے ہیں

اور وہ کج فہمی و بدگمانی ہے . اس نے یہ تصور کیا کہ یہاں کھانے کی دعوت کا حال ہے ! ہم اگر اس کو اس فکر سے باہر لے آئیں اور اس کو یہ سمجھائیں کہ یہاں درس کا ہال ہے نہ کہ کھانے کی دعوت کا . تو وہ اپنے تمام اعتراضات سے صرف نظر اور معذرت خواہی کریگا .ہمیں بھی چاہیے کہ ہم دنیا کو ویسے ہی پہچانیں جو اس کے پہچاننے کا حق ہے اور اپنے پیدائش کے مقصد کو سمجھ لیں اس صورت میں خود بخود ہمارے اشکالات بر طرف ہو جائیں گے. ہم میں یقین رکھنا چاہیے کہ دنیا ٹھہرنے اور رکنے کی جگہ نہیں ہے ، بلکہ صرف ایک گذرگاہ ہے، اگر ہم نے یہ یقین کر لیا، تو کچھ اشکالات (کہ اگر خدا عادل ہے تو کیوں لوگ ، زلزلہ، سیلاب جراثیم اور موت کی ذریعہ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں) بر طرف ہو جاتے ہیں، کیونکہ ہم ٹھہرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بلکہ جانے کیلئے آئے ہیں بہر حال ہم میں جانا ہے چاہے یہ جانا کسی بھی طریقے سے ہو ، زلزلہ کے ذریعہ ہو یا سیلاب کے ذریعہ یا کسی اور طریقے سے.

مثال :۔ گلاس فروش نے اپنے گلاسوں کو منہ کے بل دکان میں سجا رکھا تھا اس نے دیکھا ایک خریدار بڑے غور سے گلاسوں کو دیکھ رہا ہے . پھر ان پر اس نے ہاتھ پھیرا اور اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ بھائی جان اس گلاس کا منہ بند ہے پھر گلاس کو اس نے اسی الٹی طرف سے اٹھایا اور کہا کہ اس گلاس کا تو نچلا حصہ بھی نہیں ہے دکاندار نے ایک قہقہہ لگایا اور گلاس کو اس سے لیکر اصلی حالت میں پلٹا دیا اور اس سے کہا کہ بھائی جان اس گلاس کا نچلہ حصہ بھی ہے اور اس کا

منہ بھی کھلا ہے.

ہمارے بہت سے اعتراضات پیدائش اور خلقت کے سلسلے میں ہماری کج فہمی کی وجہ سے ہیں جس شخص نے سرخ عینک لگا رکھی ہے وہ مجبوراً ہر شلغم کو چقندر دیکھے گا. مختصر یہ کہ ہمارے بعض اعتراضات غلط تفسیر رائے کی بناپر ہیں کہ انسان اور اسکا مقصد یہ کہ ہم دنیا والے ہیں ، ہم تصور کرتے ہیں کہ دنیا ایک عشرتکدہ ہے اس کے بعد ہم یہ کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کے باوجود ہم کیوں ناکام ہیں؟ جب کہ دنیا ترقی کا میدان ہے، آخرت کی کھیتی ہے، لازمی طور پر رشد و نمو وزراعت کا میدان تلاش و جدوجہد ، پسینہ بہانے اور مشکلات اٹھانے کی جگہ ہے.

معاشرہ ساز فرق

ہم اگر چند مسئلوں کو قبول کرلیں تو سمجھ جائیں گے کہ یہ فرق اور تفاوت کتنا اہم کردار ہماری زندگی میں ادا کرتے ہیں.

پہلا مسئلہ یہ کہ انسان کی زندگی ایک اجتماعی زندگی ہے [1]. یعنی ہم خود بخود اگنے والی گھاس کی طرح نہیں ہیں کہ خود بخود سبز ہو جائیں ، سوکھ جائیں اور کسی دوسرے سے کوئی سروکار نہ رکھیں.

۱۔ البتہ انسان کے اجتماعی ہونے کے فلسفہ میں دو نظریے ہیں ; پہلا نظریہ یہ ہے کہ جبر انسان کی زندگی کو اجتماعی زندگی کیلئے مجبور کرتا ہے دوسرا نظریہ یہ ہے کہ انسان طبعی طور پر بغیر جبر کے اجتماعی زندگی کی طرف رجحان رکھتا ہے اور انفرادی زندگی سے متنفر ہے.

دوسرا مسئلہ یہ کہ اجتماعی زندگی کو ایک دوسرے کے تعاون اور مدد کے بغیر آگے نہیں بڑھا سکتے . اور یہ بات واضح ہے کہ تعاون صرف فرق کی صورت میں میسر ہے کیونکہ ہر ایک شخص ممکن ہے کسی ایک پیشے ، ہنر اور شعبہ میں توانا ہو اور دوسرے شعبوں میں کمزور ہو طاقت ، ذوق و شوق اور حوصلوں میں فرق ضرورت و احتیاج کی پیدائش کا سبب بنتا ہے اور ضرورت بھی سماج کے پیدا ہونے کی ایک عامل ہے تا کہ ہر گروہ اور ہر فرد دوسرے کی ضرورت کو پورا کر سکے . لہٰذا یہ فرق ضرورت آفرین ہے اور ضرورتیں معاشرہ ساز ہیں اور انسان کا رشد و نمو معاشرہ کے سائے میں ہے .

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ پریشانیوں اور تلخ حوادث سے روبرو ہونا انسان کیلئے بیدار رہنے کی گھنٹی ہے . کیونکہ یکساں طور پر زندگی انسان کو سست اور تن پرور بنا دیتی ہے ، کہتے ہیں کہ اگر سڑک مکمل طور پر صاف اور سیدھی ہو تو ڈرائیور کو اسمیں نیند آجاتی ہے . اسلامی روایات میں ہم پڑھتے ہیں کہ خداوندعالم اپنے نیک اور صالح بندوں کو زیادہ مشکلات سے دوچار کرتا ہے .

"عن ابیعبد اللہ علیہ اسلام: انّ اشدّ النّاس بلاءً الانبیاء ثمّ الّذین یلونھم ثمّ الامثل فالامثل " (بحار/ج ۸۱ /ص ۱۹۵ نقل ازعدل ازدیدگاہ تشیع) امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ سخت ترین مشکلات سے انبیاءؑ دوچار ہوتے ہیں ان کے بعد وہ لوگ جو انبیاءؑ کے ساتھ نزدیک ترین رابطہ رکھتے اور ان سے محبّت کرتے زیادہ سختیوں سے دوچار ہوتے ہیں ایک اور حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ خداوندعالم ایمان

والوں کی اس طرح سختیوں اور مصیبتوں کے ذریعہ پرورش کرتا اور پالتا ہے. جس طرح ماں اپنے بچے کو دودھ کے ذریعہ پرورش کرتی اور پالتی ہے.

سختیاں نہ صرف ظاہر ہونے کے وقت سے انسان کی تعمیر میں ایک مؤثر کردار ادا کر سکتی ہیں بلکہ گذشتہ سختیوں اور مشکلات پر توجہ کرنا اور ان کی یاد بھی انسان کی تعمیر کے سلسلے میں ایک موئثر چیز ہے. قرآن میں ہم پڑھتے ہیں " الم یجدک یتیماً فاوی و وجدک عائلاً فاغنی " (الضحیٰ) اس نے تم کو یتیم پایا تو پناہ دی اور ضرورتمند دیکھا تو بے نیاز کردیا. اب جب کہ تم طاقت کی مسند پر پہنچ گئے تو یتیم پر ظلم مت کرو اور اس کو مت جھڑکو اور محتاج کے ساتھ سختی نہ کرو. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خداوندعالم گذشتہ مشکلات کی یاد کو بھی انسانوں کی ترقی اور اس کی تربیت کے سلسلے میں مؤثر سمجھتا ہے.

قرآن میں واضح طور پر ارشاد ہوتا ہے کہ سختیاں دل کا زنگ دور کرنے اور تضرع و زاری کیلئے ہیں "ولقد ارسلنا الیٰ امم من قبلک فاخدناھم بالباساء و الضراء لعلھم یتضرعون " (انعام / ۴۲) تم سے پہلے کی امتوں کی طرف ہم نے انبیاءؑ کو بھیجا اور ہم نے ان کو سختی اور تنگ دستی میں مبتلا کیا تاکہ وہ تضرع وزاری کریں اور اسی کے مانند سورۂ اعراف کی آیت ۹۴ میں بیان ہوا ہے کہ مشکلات کے فوائد میں سے ایک فائدہ خدا کی طرف متوجہ ہونا ہے، حدیث میں وارد ہوا ہے " لو لا ثلاثۃ ما طاطاء راس ابن آدم ، الفقر و الموت وا لمرض " (توحید صدوق/ ۴۰۲) اگر فقر، بیماری اور موت نہ ہو تو کوئی بھی طاقت انسان کے سر کو خم نہیں

کر سکتی تھی اور وہ اسی طرح گردن کش اور مغرور رہتا۔ یقیناً خوشی اور رفاہ انسان کو بے ارادہ بنا دیتے ہیں۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں "جو درخت خشک صحراؤں کے دامن میں پرورش پاتے ہیں ان کی لکڑی مضبوط ہوتی ہے" (نہج البلاغہ / نامہ ۴۵) اور شاید امام عسکریؑ کی مراد اس بات سے جو بیان فرماتے ہیں کہ بلاؤں میں خوبیاں ہیں (بحار/ج ۷۸ / ص ۳۷۴ نقل از عدل از دیدگاہ تشیع) یہی ہو کہ بلائیں ایک طرف تو ہمارے اور خدا کے درمیان ارتباط برقرار کرتی ہیں اور دوسری طرف ہماری فکر کو کام جد و جہد و تلاش کی طرف مجبور بناتی ہیں۔ لہذا جو دباؤ بلاؤں اور مشکلات کی وجہ سے جسم پر پڑتا ہے اس کے بدلے میں روح کو قوت اور طاقت نصیب ہوتی ہے۔ مثلاً ایک مہمان نوازی میں میزبان زحمت میں پڑتا ہے لیکن اس کی شخصیت جو وہی روحِ سخاوت اور کمالات ہے رشد و نمو پیدا کرتی ہے اور ہماری مراد اس سے جو ہم کہتے ہیں کہ بلائیں شخصیت کے رشد اور خود سازی میں مؤثر ہیں یہی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہم پڑھتے ہیں " البلاء للظالم ادب و للمؤمن امتحانٌ و للاولیاء درجة " (بحار/ج ۸۱ / ۱۰۸) یعنی سختیاں ظالموں کیلئے خطرے کی گھنٹی اور مؤمنوں کیلئے امتحان کا باعث اور اولیاء خدا کیلئے درجات کی بلندی کا ذریعہ ہیں۔

فوجی ٹریننگ سنٹر میں کام کی سختی کیلئے تین عامل پائے جاتے ہیں:

۱۔ کبھی سپاہی کوئی غلط کام کرتا ہے تو اسکو سخت کام سونپا جاتا ہے جو اس جملے کا " البلاء للظالم ادبٌ " کا مصداق ہے۔

۲۔ کبھی سپاہی کو ترقی دینے اور اس کے عمل اور استعداد کو رونق بخشنے

کیلئے " وللمؤمن امتحانٌ " سخت کام سونپا جاتا ہے .

۳۔ کبھی یہ چاہتے ہیں کہ اس کے مقام اور رتبہ کو اور اونچا کریں .

یا اس کو کچھ مدت کے لیے چھٹی دیں تو کوئی سخت کام اس کے حوالے کرتے ہیں تا کہ درجے اور رتبے یا چھٹی کا حقدار بن سکے ، مذکورہ حدیث بھی اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتی ہے .

لہٰذا خدا کی عطا کردہ چیزیں کسی کی خوبی اور عزت و شرف پر دلیل نہیں ہیں کبھی بہترین اور پاکترین افراد سخت ترین مصیبب میں بستلا ہوتے ہیں تا کہ مردان حق ان مشکلات کے درمیان صیقل ہوجائیں اور اس طرح اپنے کمالات تک پہنچ سکیں کیونکہ جب تک اگربتی کے سر کو نہ جلائیں عطر انگیز خوشبو مشام تک نہیں پہنچ سکے گی . ان نشیب و فراز کا ہونا تمام موجودات میں ان کے تکامل کی علامت ہے . دھات جب تک بھٹی میں نہ پکائی جائیں قابل تصفیہ نہیں ہوتیں زمین میں جب تک ہل نہ چلایا جائے وہ زراعت کے قابل نہیں ہو سکتی ، گھاس جب تک بھیڑوں کے دانتوں میں بھوسا نہ بن جائے گوشت نہیں بن سکتی اور بھیڑ کا گوشت جب تک آگ پر پک نہ جائے اس وقت تک انسان کے کھانے کے قابل نہیں ہو سکتا اور انسان کے سلول میں تبدیل نہیں ہوسکتا . لہذا انسان جب تک اس کا روان ہستی میں مشکلات سے دوچار نہ ہو اور سخت ترین بلاؤں کے ساتھ اپنے پنجے نرم نہ کرے اس وقت تک اس کی روح میں چمک دمک پیدا نہیں ہو سکتی اور وہ بہت سے کمالات تک نہیں پہنچ سکتا ہے .

ہماری انسانیت کھانے اور سونے سے نہیں ہے. کیونکہ حیوان بھی اس کام میں ہمارے شریک ہیں بلکہ ہمارا انسان ہونا ایسے بہت سے کمالات اور صفات کا حامل ہونے کی وجہ سے ہے، جیسے خدا کی طرف توجہ رکھنا، انسان دوستی، ایثار اور بخشش وغیرہ، اور ظاہر ہے کہ ان صفات کا پیدا ہونا مشکلات سے دوچار ہوئے بغیر امکان پذیر اور میسّر نہیں.

انسان کے ایجادات میں مشکلات کا حصہ

کیا آپ نے کوئی چھوٹی سے چھوٹی ایجاد دیکھی ہے جو ضرورتوں اور مشکلات کے بغیر وجود میں آئی ہو؟ اگر یہ تمام درد نہ ہوتے تو دوا بنانے کا علم بھی نہ ہوتا. اگر سردی اور گرمی نہ ہوتی تو سردی اور گرمی کے وسائل بھی نہ بنائے جاتے. تمام علوم اور صنائع کی ترقی فوجی، صنعتی اور طبی شعبوں میں ضرورتوں اور سختیوں کے ساتھ مقابلے کے سائے میں وجود میں آئی ہے. اور یہ ایک حقیقت و واقعیت ہے جس کے لیے نہ تو وضاحت کی ضرورت ہے اور نہ استدلال پیش کرنے کی.

چھٹا نکتہ

انسان کو فیصلے اور قضاوت کے میدان میں صرف منفی سمت میں توجہ نہیں رکھنی چاہیے . ایک دانشمند کا کہنا ہے کہ جب کبھی کھٹا لیمو تمہارے ہاتھ آئے تو اس کو اس کی کھٹائی کی بناپر دور نہ پھینکو بلکہ لیمو کی اسی کھٹائی سے لیمونیٹ بنا لو اور یہ حقیقت بتائی ہے کہ اس دنیا سے مثبت استفادہ کرنا چاہیے .

یوسفؑ کو اس کے بھائیوں نے کنویں میں گرایا پھر ایک گروہ نے ان کو کنویں سے باہر نکال لیا اور غلام بنا کر بیچ دیا ، اور مصر میں ان پر ناروا تہمت لگائی گئی پھر انھیں زندان میں ڈال دیا گیا ، اور اس تمام داستان کے بعد وہ عزیزِ مصر بن گئے اور کچھ مدت کے بعد جب وہ باپ کی ملاقات سے شرفیاب ہوئے اور ان کے والد بزرگوار نے ان سے دریافت کیا کہ تمہارے بھائیوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا ؟

تو یوسفؑ نے عرض کی بھائیوں کے کام کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کریں بلکہ خدا کے لطف کے بارے میں سوال کریں کہ اس نے کس طرح مجھے ان تمام ، مکر و فریب و غلامی و تہمت ، اور قید خانے میں محفوظ رکھا اور ان سب پر قدرت اور غلبہ عطا کیا .

یہ خود ، ایک قسم کی منطق ہے کہ انسان ہمیشہ منفی سمت میں توجہ نہ کرے

بلکہ اس کے مثبت پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھے ایک حدیث جو امام حسن عسکریؑ سے نقل ہوئی ہے اس کو ہم بھول نہ جائیں ۔ آپ نے فرمایا (ما من بليّة الا و لله فيها نعمة تحيط بها) (بحار ، جلد ۸، صفحہ ۳۷۴ بہ نقل از عدل از دید گاہ تشیع) یعنی کوئی بلا ایسی نہیں ہے جس کے اندر خدا نے نیکی نہ رکھی ہو اور وہ نیکی اس بلا پر محیط ہے ۔

لوگوں کا اعتراض خدا کے عدل پر اس وجہ سے ہے کہ وہ مسائل کو ایک زاویہ اور ایک نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں ۔ ایک مثال ایک دانشمند سے نقل کررہا ہوں :

سورج چمکتا ہے اور سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے ، اور بھاپ سے بادل اور پھر بادلوں سے بارش برسنا شروع جاتی ہے اور زمین کی کشش بارش کو اپنی طرف کھینچتی ہے ۔ بارش کے قطرات زمین میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ان سے نہریں وجود میں آتی ہیں انسان ایک سد بنا کر پانی کو روکتا ہے ، اس سے بجلی پیدا کرتا ہے ۔ پھر اس طرح زراعت کو وسعت دیتا ہے ۔ اب اگر کوئی شخص غفلت یا نادانی کی وجہ سے بجلی کے تار کو پکڑلے اور مر جائے یا اگر زراعت اور کھیتی کی راہ میں کسی چیونٹی کا گھر خراب ہو جائے ، کیا آپ اس انسان اور اس چیونٹی کو اعتراض کرنے کا حق دیں گے ؟ کیا آپ اس بات کی اجازت دیں گے کہ وہ شخص " اڈیسن " پر اعتراض کرے کہ اس نے کیوں بجلی کو بنایا اور قابل استفادہ قرار دیا ؟ کیا چیونٹی سورج مردہ باد ، دریا مردہ باد ، بادل و بارش ، انسان ، وزراعت مردہ باد کا نعرہ لگانے کا حق رکھتی ہے کہ انھوں نے میرے گھر کو کیوں خراب کیا ؟

کیا ان اعتراضات کے نمونے ایک قسم کی خود خواہی و جاہ طلبی کی وجہ سے نہیں ؟ کیا اعتراض کے یہ نمونے اس وجہ سے نہیں ہیں کہ ہم مسائل کو صرف ایک زاویے سے دیکھتے ہیں اور صرف ایک ہی مدار میں فکر کرتے ہیں ؟ اور اس مدار کے مرکز کو بھی ہم اپنا شخصی ذاتی و منافع سمجھتے ہیں ؟

گویا پوری کائنات میرے شخصی آرام اور ذاتی خواہش کے مطابق حرکت میں ہونی چاہیے . وہ بھی میرے موجودہ شخصی منافع کے مطابق . کیونکہ کبھی مشکلات میرے آئندہ کے لیے ٹھیک ہیں . لیکن جب تک نتیجہ آج ہی اور فوری طور پر نہ ہو ہم راضی نہیں ہوتے ہیں !

ایک دوسرا بیان

مشکلات کے سلسلے میں خداوندعالم کے عدل سے متعلق دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم میں اس عالم ہستی میں دو نظریوں میں سے ایک کو قبول کرنا چاہیے : یا ہمیں دنیا کے لیے کسی نظام اور حساب و کتاب کو قبول کرنا چاہیے یا پھر حرج و مرج اور بدنظمی کو .

اگر عالم ہستی کسی ، نظام ، حساب اور فارمولے کے تحت ہے تو اس میں مشکلات بھی ہونا چاہیے و گرنہ ، ہرج و مرج اور بد نظمی کے پیچھے جانا چاہیے . تھوڑی سی وضاحت کے ساتھ اگر آپ کسی تلخ حادثہ کی تحقیق کریں تو دیکھیں گے کہ اس کو دقیق فارمولے اور حساب و کتاب وجود میں لائے ہیں اور اس حساب کا قبول کرنا ان مشکلات کو تحمل کرنے کے برابر ہے . مثلاً ایک مکان کچھ لوگوں کے سر پر

گرجاتا ہے اور ہم اس حساب اور تحقیق میں لگ جاتے ہیں کہ اس کی خرابی کا باعث کیا ہے ؟

۱ :- بچوں کی وہ گیند جو گلی میں کھیلتے وقت ، پڑوسی کی چھت پر چلی گئی .

۲ :- گول گیند گھومی اور ناودان کے سوراخ میں جا پڑی اور بارش کے پانی کے راستے کو اس نے بند کردیا .

۳ :- بارش ہوئی اور پانی چھت پر جمع ہوگیا اور گھر کا مالک بھی اس واقعہ سے بے خبر تھا .

۴ :- بارش کے پانی نے چھت میں اثر کیا اور اینٹوں کو نرم کردیا .

۵ :- گھر کا مالک چھت کے نیچے آرام سے سویا ہوا تھا اور اینٹوں کی چھت جو بارش کے پانی سے سنگین ہوگئی تھی گرگئی اور کچھ لوگ اس کے نیچے دب کر مر گئے .

حساب کے مطابق اس قسم کے حوادث پیش آنے چاہیں کیونکہ خود گیند اور اس کا گھومنا اور چھت کی نشیبی حالت و ناودان کے سوراخ کا تنگ ہونا ، پانی کا وزن اور دباؤ ، اینٹوں کی طاقت ، چھت اور اس کے نیچے سوئے ہوئے کے سر کے درمیان فاصلہ اور بدن کی ہڈیوں کی ساخت ، سب ایک نظام ، حساب اور فارمولے کے تحت ہیں . اگر آپ حساب شدہ اور منظم دنیا کے طرفدار ہیں تو آپ اس حادثہ کو گھر والوں کیلئے قبول کیجئے . کیونکہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ مشکلات پیش نہ آئیں ، تو بد نظمی و ہرج و مرج ہونا چاہیے اور پہلے کے تمام حساب و کتاب

[illegible]

[illegible] چھت [illegible]

۲۔ یہ [illegible]

[illegible]

۳۔ یہ [illegible]

[illegible]

۴۔ یہ [illegible] اور [illegible] ہو جائے [illegible]

[illegible]

۵۔ یہ پانی [illegible] صحیح [illegible] اور [illegible] میں [illegible]

۶۔ یہ [illegible] میں [illegible] کہ ان میں پانی [illegible]

[illegible]

۷۔ یہ زمین کی قوت جاذبہ اس رات ختم ہو جائے اور پانی کے [illegible] چھت کو [illegible]

[illegible]

۸۔ یہ چھت کے نیچے ستون [illegible] کی بنیادیں اس قدر مضبوط اور سخت ہو جائیں کہ چھت کا [illegible] ان پر [illegible] اور دونوں چھت [illegible] کے ایک [illegible] میں [illegible] ہو جائے!

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اگر ہم نظام وحساب کے [illegible] میں اور عقل و منطق کے مدار پر حرکت کریں تو اس صورت میں مشکلات ایک [illegible]

زندگی کا لازمہ ہیں جب کہ ایک مشکل کو محو کرنے کیلئے دسیوں قوانین اور فارمولوں کو مٹانا پڑے گا جو خدائے حکیم کے ہاتھوں سے عالم ہستی میں قرار دیے گئے ہیں.

مختصر یہ کہ اگر یہ دنیا نظم و حساب رکھتی ہے تو بلا و مشکل بھی رکھتی ہے اور اگر یہ طے پا جائے کہ بلا نہ ہو تو حساب بھی نہیں ہونا چاہیے اور پھر بدنظمی و ہرج و مرج خود تمام بلاؤں سے بالاتر اور بدتر بلا ہے.

ضروری توجہ

عدل الٰھی کے بارے میں بحث اور صلاحیتوں کے تفاوت و فرق کے ساتھ اس نکتہ پر توجہ بھی ضروری ہے. کہ جو لوگ اپنے آپ کو کم استعداد سمجھتے ہیں ممکن ہے بہت سے دوسرے شبعوں میں ذوق و استعداد رکھتے ہوں. بعض لوگ ایسے ہیں جو لالچ و ہوس یا درآمد یا رقابت کی خاطر کسی کام یا ہنر کی تلاش میں جاتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے اور اپنے آپ کو ناکام و شکست خوردہ پاتے ہیں اس کے بعد وہ کائنات کو برا بھلا کہتے ہیں. وہ لوگ ایک مسئلہ بن جاتے ہیں دوسرے لوگ بھی ان کو بے لیاقت سمجھتے ہیں ہر طرف سے اس کو ذلیل کرتے ہیں بہت ممکن ہے کہ یہی شخص دوسرے شعبوں میں قابل تحسین اور موجد و کامیاب بن جائے. کہتے ہیں کہ " ڈارون " کا باپ ڈاکٹر تھا وہ چاہتا تھا کہ اس کا لڑکا بھی اس کے ساتھ تعاون کرے لیکن ڈارون ڈاکٹری کے شعبے میں کامیاب نہیں ہو سکا اس کا باپ ناراض ہو گیا اور اس کو مذہبی اطلاعات حاصل کرنے کے شعبے میں

کام کرنے کیلئے چھوڑ دیا ، تا کہ عیسائیت کیلئے ایک بہترین کشیش اور روحانی(عالم) بن سکے . لیکن اس شعبے میں بھی وہ ناکام رہا . ڈارون دو ناکامیوں کے بعد علوم طبیعی کے شعبہ میں مشغول ہو گیا اور اس شعبے میں صاحب علم اور کامیاب بن گیا [۱]

ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ اگر تم کو کسی کام میں نا کامی ہوتی ہے تو فوری طور پر کام کو بدل دو .بہت قوی امکان ہے کہ دوسرے شعبہ میں صاحب امتیاز اور صاحب کمال ہو جاو . حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں ایک بہترین مطلب کی طرف اشارہ فرماتے ہیں .ہر کمال کے ساتھ ایک عیب اور ہر عیب کے ساتھ ایک کمال ہے. بعض لوگ قد کے اعتبار سے اونچے ہوتے ہیں لیکن ہمت کے اعتبار سے کم ہمت ہوتے ہیں «مادّ القامة قصير الهمة » بعض لوگوں کی شکل و شباہت بری معلوم ہوتی ہے لیکن عمل اور بیان کے اعتبار سے اچھے ہوتے ہیں " زاکی العمل قبح المنظر،، بعض کا بیان سلیس لیکن وہ دل کے سخت ہوتے ہیں «طلیق اللسان حدید الجنان » لہذا نہ ہر کامیاب انسان تمام شعبوں میں کامیاب ہے اور نہ ہر نا کام انسان تمام کاموں میں ناکام ہوتا ہے (نہج البلاغہ فیض الاسلام ص/ ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲)

بعض افراد ہیں جو رقابت کی بنیاد پر کسی شعبے میں کام کرتے ہیں (جب کہ کبھی روحی طور پر اور ذوق کے لحاظ سے اس کام کے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے ہیں) .

۱۔ البتہ ممکن ہے کہ ہر صاحب نظر پر اعتراضات علمی ہوں لیکن یہ چیز اس میں نبوغ اور اختراع کی وجود سے مانع نہیں ہے

اور ناکامی سے دوچار ہوجاتے ہیں پھر خدا کے عدل پر اعتراض کرتے ہیں کہ اے خدا فلاں شخص کیوں کامیاب ہوگیا اور میں کیوں ناکام ۔ لیکن اگروہ کسی دوسرے شعبے (جو اس کے حوصلے اور ذوق کے ساتھ میل رکھتا ہو) میں کام کرتا ممکن تھا اس کو اس میں زبردست کامیابی نصیب ہوجاتی . لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہی شخص ناکام ہوتا ہے جسنے ابھی تک ایسے شعبے میں جس کو اس نے انتخاب کیا ہے . اپنی روحی آمادگی و صلاحیت اور ذوق کو پہچانا نہیں ہےء اور وہ لوگ جو تصور کرتے ہیں کہ وہ کامیاب ہیں اگر غور کریں تو مختلف قسم کی کمزوریاں و ناکامیاں اور عیوب ان کی کامیابیوں کے پہلو میں دکھائی دیتے ہیں. عدل خدا کے مسئلہ کے اختتام پر کچھ اور دوسرے سوال بھی پیش آتے ہیں :

پہلا سوال

کیا شیطان کا پیدا کرنا خدا کے عدل و حکمت کے ساتھ میل کھاتا ہے ؟

کیا انسان کی خلقت سے خداوندعالم کا مقصد عبادت نہیں تھا .کیا شیطان کا پیدا کرنا اس مقصد کے برخلاف نہیں ہے. ان سب کے باوجود انسان بڑی زحمت کے ساتھ ایک عمل انجام دیتا ہے لیکن مختلف قسم کے گناہ و وسواس اس بات کا باعث بنتے ہیں کہ یہ اعمال تین طریقوں سے خراب ہوجائیں ، یا ابتدا ہی سے دکھاوے اور ریا کی وجہ سے خالص شکل اختیار نہیں کرتے یا عمل کے وسط میں غرور اور تکبر اس عمل کو بے اثر بنادیتا ہے یا عمل کے بعد کچھ گناہوں کی وجہ سے سب اعمال ضائع و برباد ہو جاتے ہیں لہذا کیا شیطان کی پیدائش خدا کی حکمت اور

عدل کے برخلاف نہیں ہے ؟

جواب

جو وجود اور امکانات خدا نے شیطان کو دیئے وہ سب کے سب نیک تھے اور وہ بھی کئی سال تک عبادت میں مشغول رہا[1]. اور اس کی برائی خدا کے فرمان سے اس کی سر کشی کی وجہ سے تھی لیکن سر کشی کے گناہ سے بھی تریہ کہ اسنے تو بہ اور معذرت خواہی بھی نہیں کی اور پشیمان بھی نہیں ہوا اپنے عزور اور تکبر کی وجہ سے اس نے حکم خدا کو غلط سمجھا، اس نے کہا یہ حکم صحیح نہیں ہے کیونکہ میری خلقت آگ سے ہوئی ہے اور آدم کی خلقت خاک سے ہے لہذا آگ کو خاک پر برتری حاصل ہے پس شیطان کا غرور اور اس کی سر کشی خود اس کی ذات سے مربوط ہے نہ خدا سے البتہ اس کے وسواس ایسے نہیں ہیں جو ہم کو گناہ پر مجبور کریں و سوسہ کا کام ایک حد تک دعوت کرنا ہے لیکن ہمارا عزم ارادہ وسوسوں کے ذریعہ برباد نہیں ہوتا اور ممکن ہے یہ وسوسے مثبت پہلو بھی رکھتے ہوں کیونکہ ہمارا ارتقا صرف اندرونی میلانات اور شیطانی و سوسوں کے ساتھ مخالفت کی صورت میں نکھرتا ہے .. اگر کوئی شخص گونگا ہو اور غیبت نہ کرے اس کی روٹی قیمت نہیں ہے اگر وسوسہ اور میلانات نہ ہوں تو انسان کا اچھا ہونا کوئی وقعت نہیں رکھتا ، ہم خود ایسے شخص کو پہلوان کا لقب دیتے ہیں جو بھاری وزن کو اپنے ہاتھ پر اٹھالے کیو نکہ

---

(۱) حضرت علی علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں کہ ابلیس نے چھ ہزار سال تک خدا کی عبادت کی ۔(صبحی صالح /ص ۲۸۷)

یہ عمل زمین کی قوت جاذبہ کے بر خلاف ہے، ہاں اس طرح پہلوان کی پہچان کشش اور جاذبہ کے بر خلاف عمل کرنا ہے، پیغمبرؑ اکرم فرماتے ہیں اگر غصہ نے تمہیں کسی سمت کھینچنا چاہا اور تم نے اپنے آپ کو کنٹرول کر لیا (معنوی اور انسانی میدان میں) تو پہلوانی کے مقام تک پہنچ گئے ان سب کے با وجود اگر کوئی شخص وسوسوں کے مقابلے میں تسلیم ہو جائے تو اس کے لئے توبہ ، معذرت خواہی اور آخری فیصلہ کا راستہ کھلاہے اور وہ توبہ کرسکتا ہے.

بالفرض اگر شیطانی وسواس اور ہم تنہا ہوتے ، تو اعتراض کا موقع تھا لیکن اس کے وسوسوں کے مقابلے میں انبیاءؑ کی دعوت اور عقل کی ہدایت و راہنمائی بھی ہے اور عقل صراط مستقیم پر چلنے کے سلسلے میں ہماری بہترین مددگار ہے، یہ تمام باتیں ایک طرف ، دوسری طرف یہ کہ شیطانی وسوسے خود ہمارے انحرافات کے پیچھے کارفرما ہیں ایسا نہیں ہے کہ وہ ہم کو اپنے پیچھے کھینچتا ہو بلکہ ہم اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں لہذا قرآن میں اس ہوس پر ست دانشمند کی داستان میں ارشاد ہوتا ہے. (واتل علیهم نباالذی اتیناه آیاتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطان فکان من الغاوین) (سورہ اعراف/ ۱۷۵) .

اس شخص کی داستان کو لوگوں کے سامنے بیان کرد جسے ہم نے اپنی آیات کو یاد دلایا لیکن اس نے ان کو چھوڑ دیا اور شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا پھر وہ ضلالت میں بتلا و گمراہ ہو گیا.

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان ایسے لوگوں کے پاس آتا ہے جو

برے اعمال کے ذریعہ اپنی آمادگی کا اظہار کرتے ہیں یہ آیت بلعم باعور نامی شخص سے متعلق ہے جو بنی اسرائیل میں سے تھا خداوند عالم نے اس کو ایسی چیزیں تعلیم کرر کھی تھیں جن کی وجہ سے اس کی دعا قبول ہوتی تھی لیکن اسکے اندر فرعون کے دربار کی طرف.جھکاو پیدا ہوا اور مال و مقام کی ہوس اس بات کا باعث بنی کہ وہ خدا کے عطا کردہ علوم اور آیات سے جدا ہو گیا اور شیطان نے اس کو دبوچ لیا ۔ ایک دوسری آیت میں ہم پڑھتے ہیں (انماسلطانه علی الذین یتلونه) (سورۂ نحل / ۱۰۰)

شیطان کا تسلط اور غلبہ صرف ان لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا دوست اور سر پرست قرار دیتے ہیں اگر ہمارے اندر اس کی پیروی کا.جھکاو پیدانہ ہو تو وہ ہرگز ہماری رہبری کو اپنے دوش پر نہیں لیتا ہے، لہذا ارشاد ہوتا ہے ..(انه لیس له سلطان علی الذین امنوا و علی ربهم یتو کلون) (سورہ نحل / ۹۹) بیشک شیطان مومنین اور ان لوگوں پر جو خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں کوئی تسلط و غلبہ نہیں رکھتا ہے البتہ تسلط نہ رکھنے سے مراد یہ نہیں ہے کہ حتی وسوسہ بھی پیدا نہیں کرتا بلکہ مراد یہ ہے کہ یہ سچے مومنین شیطان کو پہچانتے ہیں کیونکہ جب وہ اس کے وسوسوں سے روبرو ہوتے ہیں قبل اس کے کہ وہ ان میں نفوذ اور ان پر تسلط پیدا کرے آگاہ ہو جاتے ہیں . قرآن کو شیطان کے ساتھ مومنین کی روش کو اس طرح بیان کرتا ہے ((ان الذین اتقوا اذا مستهم طائف من الشیطان تذکروا)) (اعراف / ۲۰۱) بیشک وہ لوگ جو پرہیز گار ہیں جب انھیں شیاطین کا ایک گروہ مس کرنے اور

چھونے کی کوشش کرتا ہے تو وہ آگاہ ہو جاتے ہیں . اور اپنے کو بچالیتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ مومن کا رابطہ شیطان سے روش و رفتار کا رابطہ ہے ، لیکن فاسق کا رابطہ شیطان کے ساتھ ایسا ہے جیسے انسان کا رابطہ انسان کے ساتھ ((ومن یعش عن ذکرالرحمن نقیض له شیطانا فهو له قرین)) (سورہ زخرف آیہ ۳۴) جو شخص خدا کی یاد سے اعراض کرے ہم ایک ایسا شیطان اس کے لئے قرار دیتے ہیں جو اس کا یار اور ہمنشین ہو مختصر یہ کہ شیطان ایک ایسا وجود اور ایک ایسی شئے ہے جو خدا کے عطا کردہ امکانات سے بہترین فائدہ اٹھاسکتا تھا لیکن غروراور تکبر کی وجہ سے اسنے اپنے آپ کو خراب کردیا اور یہ بات خود اس کی ذات سے مربوط تھی شیطان کے وسوسے بھی ہمارے انحراف کے متعلق جبر و بے تو.جہی کا سبب نہیں ہوتے ، کیونکہ دھوکے اور فریب میں آنے والوں کیلئے توبہ کا دروازہ بھی کھلاہے اور اس کے نفوذ پیدا کرنے کی راہیں ہموار کرنا بھی خود ہمارے ہاتھ میں ہے، ان مطالب کو نظرمیں رکھتے ہوئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ شیطان کا پیدا کرنا خدا کے عدل کے خلاف ہے .

ایک اور سوال

خدا کے عدل کی بحث میں ایک مطلب جس کے بارے میں بہت پوچھاجاتا ہے وہ ناقص و معیوب پیدا ہونے والے افراد کا ہے، لوگ پوچھتے ہیں ، ؟ اگر خدا عادل ہے تو یہ تمام افراد جو ناقص الخلقت ہیں جو عمر بھر رنج ا ٹھاتے ہیں اور لوگ ان کی اہانت کرتے ہیں یہ کس لئے ہے ؟

جواب

اس سوال کا جواب گذشتہ بحثوں سے پیدا کرسکتے ہیں، ہم نے بیان کیا ہے کہ بہت سی پریشانیوں کو وجود میں لانے کا باعث ہم خود ہیں .ناقص پیدا ہونے والے افراد بھی ہماری غفلت کا نتیجہ ہیں والدین کو چاہیے کہ وہ حفظان صحت کے مسائل کی رعایت کریں ان کی غفلت کی وجہ سے .بچہ ناقص پیدا ہوتا ہے، خوش بختی سے ائمہ معصومینؑ کی روایات میں ان مسائل کی طرف پوری توجہ رہی ہے کہ نشہ ، حیض ، بیہوشی یا خوف کی حالت میں جماع کرنے سے بچے پر برے اثرات پڑتے ہیں اس امید کے ساتھ کہ ہمارے بھائیوں اور بہنوں کیلئے ایسی کلاسیں منعقد کی جائیں جس میں اسلامی وظائف ، ایک دوسرے کے حقوق ، فرزند کی تربیت ، جنسی مسائل اور اسلام کے احکام پڑھائے جائیں.

یہاں پر ایک سوال پیش آتا ہے کہ :

بچے کا گناہ کیا ہے ؟

اس سلسلے میں ہمارا جواب صرف ایک ہی جملہ ہے وہ یہ کہ خدا کا گناہ کیا ہے ؟ یہاں .بچہ بھی بے قصور اور خدا بھی منزہ و مبرہ ہے. فقط والدین کا قصور ہے لیکن اس کا رنج بچے کے دوش پر ہے اور یہ بات بچے ہی سے مخصوص نہیں ہے دنیا کے تمام مظالم میں قصور ظالم کا ہوتا ہے لیکن ظلم کا رنج مظلوم کو اٹھانا پڑتا ہے.

اگر میں آپ کی طرف ایک پتھر پھینکوں اور اس سے آپ کی پیشانی زخمی ہو جائے اس میں نہ آپ کا قصور ہے نہ خدا کا، یہ میرا قصور ہے کیونکہ میں نے پتھر

پھینکا ہے لیکن میرے گناہ اور قصور کا رنج آپ برداشت کررہے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ سوال جو ہوتا ہے کہ والدین تقصیر کریں .بچہ کا کیا گناہ ہے ؟ یہ ان سوالوں کے مانند ہے جو تمام مظالم میں ہوتے ہیں کہ ظالم قصوروار ہے مظلوموں کا گناہ کیا ہے ؟ اگر آپ تلخ یا نمکیں آٹے کو نانوائی کے پاس لے جائیں اور وہ آپ کو تلخ یا نمکین روٹی بنا کر دیدے کیا آپ کہیں گے کہ نانوائی ظالم ہے ؟ اگر آپ تربوزہ کا بیج بویں اور تربوزہ ہی اگائیں تو اس میں کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں ہے .

اگر آپ جنوب کی سمت راستہ طے کریں تو کیا آپ کو شمال کی طرف پہنچنے کی توقع رکھنا چاہیے ؟

ہر غذا اور جذبہ ذاتی اور طبیعی آثار کے حامل ، ہیں اور ان سے فرار طبیعی موجودات کے تمام قوانین کے باہم ٹکراؤ کے برابر ہے لہذا ہر ایک بیج کا ایک پھل، اور ہر ایک نطفہ کا ایک نتیجہ ہوتا ہے اور اس کے خلاف توقع رکھنا غلط ہے، لیکن یہ سوال جو کرتے ہیں کہ والدین کی کوتاہی وقتی طور پر تھی اور اس ناقص بچے کا رنج دائمی ہے پھر بھی یہ چیز خدا سے مربوط نہیں ہے آپ ایک منٹ میں اپنی آنکھ میں چاقو مارتے ہیں اور ستر سال کے لئے نابینا ہو جاتے ہیں گناہ ایک منٹ میں ہوا اس کا اثر ستر سال تک باقی ہے یا دائمی ہے کچھ لحوں میں آپ ایک پتھر شیشے پر مارتے ہیں شیشہ ہمیشہ کیلئے ٹوٹ جاتا ہے نفسیاتی و اعصابی مسائل بھی اسی طرح کے ہیں آپ ایک گالی کسی شخص کو دیجئے آخر عمر تک آپ کی دوستی و

محبت کا رشتہ ٹوٹ جائے گا جس طرح چند منٹ کی عذر خواہی کے ذریعہ کئی سال کے دشمنی کو بے اثر کر سکتے ہیں . کلمہ "حبط" کے سلسلے میں توحید کی بحث میں ، میں نے بیان کیا ہے اور مثال دی ہے کہ انسان ایک عمر تک حفظان صحت کے اصول کی رعایت کرتا ہے لیکن زہر کا ایک چمچہ ان سب کو بے اثر کر دیتا ہے یہاں پر ایک سوال سامنے آتا ہے. اور وہ یہ کہ والدین نہیں جانتے تھے کہ یہ عمل فلاں شرائط میں بچے پر برے اثرات مرتب کریگا ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ماں باپ کا جاننا یا نہ جاننا طبیعی اشیاء کی خاصیت میں اثر نہیں رکھتا ، ہم اگر نہ جانیں کہ فلاں تار میں بجلی ہے اور اس کو پکڑ لیں بجلی تو ہم کو مار ہی دے گی ، ، بجلی صبر نہیں کریگی تا کہ یہ دیکھ لے کہ اگر ہم نہیں جانتے تو وہ ہم میں چھوڑ دے ہم اگر شراب کو پانی کے خیال سے پی جائیں تو مست ضرور ہو جائنگے کیونکہ مست ہونا شراب کے طبیعی آثار میں سے ہے چاہے ہم یہ خیال کریں کہ پانی ہے یا کوئی دوسری چیز ، لہذا ماں باپ کی بے تقصیری کا مطلب یہ ہے کہ انھوں نے عمداً گناہ نہیں کیا لیکن طبیعی اور وضعی آثار (بدستور) اپنی جگہ پر محفوظ ہیں.

اور یہ سوال کہ لوگ ناقص الخلقت افراد کی توہین اور مذاق اڑاتے ہیں تو یہ بات ظاہر ہے کہ لوگوں کی توہین خود ان کی ثقافت و تہذیب سے مربوط ہے نہ کسی دوسرے سے اور نہ خدا سے ، ہمیں ناقص پیدا ہوئے والے لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے اس سلسلے میں اسلام کے مقدس آئین میں خاص طور

پر سفارش کی گئی ہے ، آخری مسئلہ جو حکومت اسلامی کی مسئولیت و ذمہ داری سے مربوط ہے وہ یہ ہے کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ ان لوگوں کے مخارج محترمانہ طور پر پورا کرے اور ہر ایک کیلئے ان کی اپنی طاقت ، ذوق اور استعداد کے مطابق آسان کام فراہم کرے اور ان کے آرام کیلئے مناسب آمدنی کا اقدام کرے ، اس طرح کافی حد تک ان بھائیوں اور بہنوں کے غموں کی تلافی کرے ہم اس بحث کو یہاں پر ختم کررہے ہیں اور قارئین محترم سے کچھ تقاضے کرتے ہیں :

پہلا تقاضا :۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے عقیدے اور فکری مسائل میں (جو وہی اصول دین اور ہمارے اعتقادی مسائل ہیں کہ تحقیق اور سرسری یا عمیق استدلال کے ساتھ) کسی قسم کا شک و تردید نہ رکھیں اور جب کبھی کوئی اعتراض پیش آئے تو ایک اسلام شناس سے فوراً پوچھ لیں ہمیں کارخانے ، ادارہ ، یونیورسٹی ، بازار ، مدرسہ ، دیہات یا ضلع کے ٹیلیفون نمبروں کے ساتھ جہاں کہیں ہم ہوں ایک یا چند دانشوروں کے ٹیلیفون نمبر بھی رکھنا چاہیے کیونکہ جس طرح بلیڈ کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا اگر پاؤں میں چلا جائے تو وہ انسان کو چلنے سے روک دیتا ہے اور زندگی کو تلخ و دشوار بنادیتا ہے یوں ہی کبھی ایک چھوٹا سا اعتراض بھی ہماری عقل میں بیٹھ جاتا ہے جو ہمیں غور و خوض کرنے اور خوش بین ہونے سے روک دیتا ہے اور زندگی کو ہمارے لیئے ناگوار بنادیتا ہے بالخصوص وہ نوجوان جو اس زمانے میں مختلف قسم کے اعتراضات سے دو چار ہوتے ہیں ان کے لیئے ضروری ہے کہ وہ ایک متقی اور دانشمند انسان سے رابطہ رکھیں تمام دوستوں سے ہمارا یہ تقاضا ہے .

ایک بہترین سرگذشت

طاغوت کی حکومت میں بعض ایسے دوستوں سے میری ملاقات ہوئی جو کہتے تھے کہ اسلام کے قوانین موجودہ تمدن کی روح کے ساتھ ساز گار نہیں ہیں کیونکہ اسلام کہتا ہے چور کی چار انگلیاں کاٹنی چاہیں لیکن مارکسزم کہتا ہے کہ اگر ہم نے چور کے شکم کو سیر کردیا اور اقتصادی سیسٹم کو بدل دیا تو چوری خود بخود ختم ہو جائیگی ! میں جو نہی ان کے ساتھ گفتگو کرنے بیٹھا معلوم ہوا کہ ایک مارکسٹ استاد کی بات انھیں بتائی گئی ہے انھوں نے درس کے ماحول میں اس بات کو سنا اور اس کو جذب کرلیا، میں نے عرض کیا کہ آپ کچھ جانتے ہیں کہ اسلام ہر چور کے ہاتھ نہیں کاٹتا. بلکہ تقریبا بیس شرطیں ہاتھ کاٹنے کیلئے اسلام میں مقرر ہوئی ہیں اب بتائیں آپ میں سے کون ان شرائط کے بارے میں جانتا اور اطلاع رکھتا ہے ؟ سب نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں. میں نے کہا اگر آپ کو معلوم ہوتا اور اسلام کے مسائل سے آپ آگاہ ہوتے تو کلاس میں کھڑے ہوجاتے اور اپنے معلم (استاد) سے کہتے کہ وہ اسلام جو چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا ہے اس نے تقریبا بیس(۲۰) شرطیں بھی مقرر کی ہیں اے استاد آپ ان شرائط سے آگاہ نہیں ہیں مہربانی فرماکر اسلام کے مسائل میں مداخلت نہ فرمائیں یا کم از کم اس کو آزادانہ بحث کی دعوت دیتے یا ٹیلیفون کے ذریعہ ان شرائط کو ایک عالم سے سوال کرتے اور اسلام عزیز کی حمایت کرتے پھر کچھ شرائط میں نے انھیں بتائے. وہ لوگ متوجہ ہوگئے پھر ہم ایک دوسرے سے رخصت ہو گئے ، محترم قاری ! قرآن کے متعدد

وعدوں کے مطابق آخری کامیابی اسلام کی ہے مستقبل میں پوری دنیا کے لوگ اسلام کی طرف بڑھیں گے اور حضرت مہدی (عجل اللہ فرجہ الشریف) کی حکومت تشکیل پائے گی.

اور یہ وعدے کچھ شرائط کے ساتھ ہیں :

۱:- دنیا کے لوگوں کی توجہ اسلام کی طرف.

۲:- اسلام کی پہچان.

۳:- اسلام کی طرف جھکاو.

ہمارے شہدا نے اسلامی انقلاب میں لوگوں کی توجہ اسلام کی طرف کردی اور پہلا قدم آہستہ آہستہ اٹھایا جا چکا.

اب ہماری باری ہے کہ ہم دوسرا قدم اٹھائیں اور وہ اسلام کو پہچاننے اور اس کو پہچنوانے کا ہے، اور تیسرا قدم خود دنیا کے لوگوں سے مربوط ہے جو تمام مذاہب کی شکست اور ناکامی کے بعد اسلام کی طرف رخ کریں گے.

لہذا ہمیں ہفتہ میں کم از کم ایک مفید کتاب ضرور پڑھنی چاہیے تا کہ دن بدن ہماری اسلامی معلومات میں اضافہ ہو امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ہمارے مکتب، راہ اور بات سے آشنا ہو جائیں تو وہ ہماری طرف رغبت اور جھکاؤ پیدا کریں گے. کتابوں کے مطالعات کے سلسلے میں سب سے پہلا قدم اعتقادی اور آئیڈیالوجی کی کتابوں کو غور سے پڑھنا ہے. کیونکہ ہمارے اعمال کی بنیاد ہماری فکر ہے اور ہمیں مضبوط و محکم استدلال اور فطرت کی راہنمائی کے مطابق تمام

مکاتب فکر کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنی راہ کو انتخاب کرنا چاہیے آخر میں عدل الٰہی کے سلسلے میں ایک اور مطلب کی طرف اشارہ کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ :

تفاوت اور فرق خدا کو پہچاننے کا راز ہے

جس طرح تبعیض و طبقہ بندی ظلم ہے اسی طرح حکیمانہ تفاوت [۱] عین عدالت بھی ہے اور خدا شناسی کا راز بھی ، قرآن کریم سورۂ روم میں فرماتا ہے (ومن آیاتہ خلق السموت و الارض واختلاف السنتکم والوانکم) یعنی زبانوں میں اختلاف اور فرق اور رنگوں کا گوناگوں ہونا خدا کی قدرت کی علامت ہے .

اگر ایک نقاش ہمیشہ ایک ہی قسم کا نقشہ کھینچے ، معمار اور انجینئر عمارت کا ایک ہی قسم کا نقشہ بنائے شاعر ایک ہی قسم کے اشعار بیان کرے تو یہ انکی کمزوری اور محدودیت کی دلیل ہوگی لیکن اگر ہر روز اور ہر ساعت وہ جدید اور نئی چیزیں پیش کریں تو یہ ان کی توانائی کی دلیل ہو گی .

۱۔ تبعیض اور تفاوت کے درمیان فرق کو ہم نے بیان کیا کہ تبعیض یعنی موجودات اورافراد کے درمیان مساوی شرائط میں فرق رکھنا اور یہ ظلم ہے لیکن تفاوت مختلف شرائط سے مربوط ہے مثلا ایک کلاس کے تمام بچوں نے مساوی طور پر استاد کے سبق کو یاد کیا لیکن معلّم نمبر دیتے وقت فرق رکھے یہ تبعیض اور ظلم ہے لیکن اگر استاد کے نمبرات کا فرق بچوں کی درسی سے معلومات کی بنا پر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے .

سماجی انصاف

سماجی انصاف کا معنی

مقدمہ :-

چونکہ گذشتہ حصے میں ہم نے خدا کے عدل کے بارے میں گفتگو کی ہے ، لہذا اس حصہ کو ہم سماجی انصاف سے اختصاص دینگے اور اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہ بحث کا سلسلہ کافی وسیع ہے کچھ مطالب کو ہم نے خلاصہ کے طور پر قرآن مجید نہج البلاغہ اور روایات سے جمع کیا ہے اور ہر آیت اور حدیث کے متعلق تھوڑی سی وضاحت بھی بیان کی ہے اس حصہ کے مطالب ہمارے مکتب فکر کو واضح کرنے والے بھی ہیں اور مفید عام بھی .

سماجی انصاف ہمارا مقصد ہے

ہمارا مقصد سماجی انصاف کی بحث سے بعض آیات و روایات کا بیان کرنا ہے جن میں قرآن کریم اور آئمہ معصومینؑ نے حقوق کے تحفظ کا اور قانون کے مقابلے میں تمام لوگوں کا مساوی ہونا نیز تبعیض و، استثمار ، و ظلم کی نفی کا حکم دیا گیا ہے اور بیت المال کی عادلانہ تقسیم کے سلسلے میں پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ معصومینؑ کی روش کے چالیس واقعات سے زیادہ کا بیان اور اسلامی برادری و اخوت کے بہت

سے نمونے بھی موجود ہیں.

عدل تمام مصوبوں کا تانا بانا ہے

اسلام عدل اور اعتدال کا مکتب ہے اسکی راہ، راہ مستقیم ہے اور اسکی امت، امت اسلامی اور امت وسط ہے اس کا نظام عادلانہ نظام ہے، اگر اسمیں آنسووں کا سیلاب ہے تو شمشیر کی جھنکار بھی ہے اگر وہ انسان کے بدن کی سلامتی کیلئے منصوبہ پیش کرتا ہے تو اس کی روح و معنوی ترقی پر بھی توجہ رکھتا ہے، اگر اس میں نماز ہے تو زکواۃ بھی ہے جہاں خدا کے اولیا سے دوستی و محبت ہے وہاں ان کے دشمنوں سے دوری اور بیزاری بھی ہے اگر علم کی حمایت کرتا ہے تو عمل کی بھی حمایت کرتا ہے جہاں خدا پر توکل و بھروسہ کا حکم دیتا ہے وہاں تلاش و کوشش کا حکم بھی دیتا ہے اگر مالکیت کو محترم سمجھتا ہے تو مالکیت سے نا جائز فائدہ اٹھانے اور عدم ضرر کا قانون بھی بیان کرتا ہے، جہاں بخشش کا حکم دیتا ہے وہاں حدود کے اجراء کیلئے قاطعیت کا فرمان بھی جاری کرتا ہے تا کہ فیصلہ کرتے وقت رحم تمہارے اندر پیدا نہ ہونے پائے.

امامؑ کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص نمازوں کو بڑی توجہ کے ساتھ پڑھتا ہے امامؑ پوچھتے ہیں «کیف عقلہ» اس کی عقل اور اس کا طرز تفکر کیسا ہے، یعنی اگر کوئی شخص ذاتی طور پر عبادت میں صاحب کمال ہے تو اس کے تفکر اور تعقل پر بھی توجہ کرنی چاہیے.

سماجی انصاف کا رابطہ الٰہی مکتب فکر سے

ہمارے معاشرے میں بعض نعرے ایسے ہیں جو صرف زبانی ہیں اور جب تک وہ اصل سے بہرہ مند نہ ہوں اس وقت تک وہ نعرے کی حد سے خارج نہیں ہوتے ، سماجی انصاف بھی ایسے ہی نعروں میں سے ہے کہ تمام حکومتیں اس کا دم بھرتی ہیں اور خود کو اس کا طرفدار سمجھتی ہیں لیکن عملی طور پر آپ کسی بھی حکومت میں اس کا واضح اثرمشاہدہ نہیں کرینگے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ نعرے کسی اصل کے ساتھ متصل نہیں ہیں اسلام میں مساوات اور برابری کا سر چشمہ بعض عمیق اصول جو اس طرح ہیں :-

۱ :- پوری کائنات خدائے حکیم کے زیر نظر ہے اور کسی قسم کا کوئی ہرج ومرج اور بے نظمی نہیں ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ میں بھی جو اس عالم ہستی کا ایک جزء ہوں ، اپنی مرضی کے مطابق ہر کام کو انجام دوں اور یہ خیال کروں کہ صرف میرا بیان ہو اور میرا ہی چرچا ہو .

۲ :- ہمارے تمام افکار ، کرداراور رفتار خدا کے زیرنظر ہیں اور وہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہم سب اس کے عدل وانصاف کی عدالت میں پیش ہونگے .

۳ :- ہم سب خاک سے بنے ہیں اور آخرکار خاک میں مل جاہیں گے اور خاک کے ذرات کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تا کہ میرے اور کسی دوسرے کے درمیان کوئی فرق ہو .

۴ :- سب لوگ خدا کے بندے ہیں اور اُن سے دوستی کرنا رضائے خدا کا

باعث ہے اور بہترین لوگ وہی ہیں جو سب سے زیادہ خیرخواہ ہیں۔

۵ :- پوری دنیا اپنے پیدا کرنے والے کے برحق قانون اور اس کی مقرر کردہ حدوں سے تجاوز نہیں کرتی۔

۶ :- ہم سب کے ماں اور باپ ایک ہیں یہ تفسیر و تحقیق جو انسان اور جہاں کے متعلق ہے وہی الھی مکتب فکر ہے جو عدالت قبول کرنے کیلئے ہموارترین راہ ہے لیکن ماحول، دوست و احباب اور خواہشات ایسی چیزیں ہیں جو اس راہ کو ختم کردیتی ہیں۔

عدالت خواہی ایک فطری چیز ہے :- قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے اچھائیوں اور برائیوں کی پہچان کو فطری طور پر انسان کے اندر قرار دیا ہے: «فالھمھا فجورھاو تقوایھا» (سورہ شمس)

ایک چھوٹے بچے کو نظر میں رکھیں جو ایک سیب آپکے حوالے کرتا ہے پانی پینے جاتا ہے اور پھر واپس آتا ہے، جونہی وہ دیکھتا ہے کہ آپ نے سیب تھوڑا سا کھا لیا ہے وہ ناراض ہو جاتا ہے مخصوص نگاہ کے ساتھ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ میں نے آپ کو امین سمجھا تھا اور یہ سیب امانت تھا آپ نے اس امانت کے ساتھ کیوں خیانت کی! یہ معنی بچے کے ذہن میں ہے چاہے وہ زبان پر لائے یا نہ لائے آپ نے ملاحظ فرمایا کہ خیانت کی برائی ایک ایسا مسئلہ ہے جو استاد اور مربی سے بے نیاز ہے انسان احساس کرتا اور فطرتاً اس کو بُرا سمجھتا ہے۔

عدالت بھی ان چیزوں میں سے ہے جن کو انسان فطرتاً دوست رکھتا ہے اور

اس کی دلیل یہ ہے کہ ظالم و ستمگر بھی اپنے ظلم و ستم کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ اپنے کام کو عادلانہ طور پر دکھا سکے کبھی بعض افراد ایک دوسرے کی شرکت سے چوری کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن جب چوری شدہ اموال کو کسی دوسری جگہ منتقل کرتے ہیں اور مال کی تقسیم کرنے کا وقت پہنچتا ہے تو وہ بھی آلپس میں کہتے ہیں آئیے اموال کو عادلانہ طور پر تقسیم کریں ! یہ بات کبھی بغیر سوچے سمجھے کہی جاتی ہے اور اگر زبان پر نہ بھی لائیں تو بھی قلبی طور پر عادلانہ تقسیم کو دوست رکھتے ہیں اور اگر کوئی شریک کار زیادہ حصہ لینا چاہیے تو باقی افراد ناراض ہو جاتے ہیں۔

ہمیشہ ایسا رہا ہے کہ اگر کوئی شخص سماجی عدل کو برقرار کرنے کیلئے یا اپنی جان و مال، عقیدہ اور ملک سے دفاع کیلئے مارا جائے یا ستمگروں کے مقابلے میں قیام کرے، دنیا والے اسے اچھی نظروں سے دیکھتے ہیں اور ایسا اس وجہ سے ہے کہ عدل کی حمایت اور ظلم کے خلاف جہاد کرنا ہر انسان کی عقل و فطرت اور طبیعت کے عین مطابق ہے ۔

عادلانہ اور منصفانہ قانون صرف مکتب انبیاء کے سائے میں ممکن ہے ۔

شاید ایسے معاشرے بہت کم ہیں جو حق و قانون اور عدالت کی بات نہ کہتے ہوں، اور بہت کم ایسے ادارے ہیں جو خود کو معاشرے کے مصالح و انسانی حقوق کا حامی نہ جانتے ہوں ہم اس بارے میں تحقیق کرتے ہیں اور بعض سوالات کو بیان کرتے ہیں، منجملہ :

۱۔ کون سا قانون سو فیصد عادلانہ اور شخصی و گروہی ظلم و استبداد سے خالی ہوسکتا ہے ؟

۲۔ کون قانون بنانے والا ایسا ہے کہ اس کی ذاتی خواہشات اس قانون پر اثرانداز نہ ہوتی ہوں ؟

۳۔ کون سے معیار کے مطابق منصفانہ و عادلانہ قانون تشکیل دیے جاتے ہیں؟

۴۔ یہ قانون کون سے اجتماعی موقف کی بات کرتے ہیں اور کون سے گروہ اور طبقہ کے مصالح و مفادات کے وہ محافظ ہیں ؟

۵ :۔ بالفرض اگر قانون بنانے والے حزب ، قبیلے ، علاقے اور ذات کی وابستگی وغیرہ سے بالاتر رہے ہوں تو کہاں سے انھوں نے انسان کے تمام پہلوؤں پر توجہ دی ہو اور کیا معلوم کہ ان قوانین کے اثرات سے جلدی یا دیر سے لوگوں کے لئے ضرر و نقصان کا باعث نہ ہوں .

ہم انہیں سوالات کی وجہ سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ سماجی انصاف عادلانہ قانون سے وابستہ ہے اور وہ اللہ اور مکتب انبیاءؑ کی راہ پر چلے بغیر ممکن نہیں ہے.

عدالت بنیادی شرط ہے

اسلام میں تمام حساس عہدے اور منصب عادل افراد کے دوش پر ہیں وہ لوگ جو عوام کے سامنے برا سابقہ نہ رکھتے ہوں ، صلاحیت اور پاکیزگی نفس کے لحاظ سے عوام کے درمیان مشہور ہوں عدالت میں جج اور قاضی سے لیکر گواہ اور عرض نویس سب کو چاہیے کہ وہ جس مقام پر بھی فائز ہیں عادلانہ طور پر بات کہیں اور

عادلانہ طور پر اس کو لکھیں نماز جمعہ و جماعت میں بھی امام کا عادل ہونا ضروری ہے .

مرجع تقلید و رہبر انقلاب اور بیت المال نیز نکاح و طلاق کے مسائل تک، ان تمام موارد میں عدالت کا ہونا ضروری ہے، خبر کے سلسلے میں صرف عادل افراد کی خبر قابل اطمینان ہے مختصر یہ کہ اسلام نے عدالت کو ایک خاص اہمیت دی ہے اور اس کو معاشرے کے ہر حصے میں حقوقی ، اجتماعی اور خاندانی و اقتصادی مسائل میں ایک نبیادی شرط کے طور پر تسلیم کیا ہے .

عدالت کی اہمیت اسلامی روایات میں

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ ، عدل ساعة خيرٌ من عبادة سبعين سنة قيام ليلها و صيام نهارها » ۲ (جامع السادات / جلد ۲/ صفحہ ۲۲۳) پیغمبرؐ اکرم نے فرمایا : عدالت کی ایک گھڑی ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے جس میں راتوں کو انسان بیدار رہا ہو اور دنوں میں اس نے روزے رکھے ہوں.

« قال النبي صلی اللہ علیہ والہ ، لعمل الامام العادل فی رعیته یوماً واحداً افضل من عبادة العابد فی اهله ماة عام او خمسین » ۳ / (نظام الاسلام السیاسی / صفحہ ۱۷/ تحریر باقر شریف القرشی) ایسے رہبر کا ایک دن کا عمل جو لوگوں کے درمیان عدالت سے رفتار کرے اس شخص کے سو یا پچاس سال کے عمل سے بہتر ہے جو اپنے اہل و عیال کے درمیان عبادت میں مشغول رہا ہو .

قال الصادق علیہ السلام : « الامام العادل لاترد له دعوة » عادل رہبر کی دعا ہر گزرد نہیں ہوتی ہے . قال الامام امیرالمومنین علیه السلام، « فی العدل صلاح

البریہ والاقتداء بسنہ اللہ و قال : « العدل حیوۃ والجور ممات » (نظام الاسلام السیاسی صفحہ ۱۱ ، قصار الجمل) حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ عدالت میں لوگوں کی مصلحت بھی ہے اور سنت خدا کی پیروی بھی ۔ اور آپؑ نے فرمایا عدالت حیات و زندگی ہے اور ظلم موت ہے جی ہاں، جو لوگ ظلم کے سامنے تسلیم ہوجاتے ہیں وہ در حقیقت مردہ ہیں.

عدالت کی اہمیت

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اس آیت کی تفسیر میں (یحیی الارض بعد موتھا) فرمایا : کہ زمیں عدالت کے قائم کرنے اور حدود الٰہی کے اجراء کے ذریعہ زندہ ہو جائیگی (قصار الجمل) .

عدالت قائم کرنا انبیاءؑ کا ایک مقصد

قرآن نے انبیاء کیلئے کچھ ذمہ داریوں کو بیان فرمایا ہے کہ ان میں سے ایک اجتماعی عدالت کا قائم کرنا ہے اور ہم ایک فہرست ان معصومؑ ہستیوں کے کارناموں کی یہاں پیش کرتے ہیں :

۱۔ لوگوں کو خدا کی بندگی کی طرف دعوت دینا اور طاغوت سے دوری اور اس کی مخالفت پر آمادہ کرنا « ان اعبدوا اللہ وا جتنبوا الطاغوت » تمام انبیاء لوگوں کو یہ دعوت دیتے رہے خدا کی بندگی کرو اور طاغوت سے دوری اور اجتناب اختیار کرو (سورہ نحل ، آیہ ۳۲)

۲۔ لوگوں کی ڈرانا اور خوشخبری دینا ((انا ارسلناک بالحق بشیراً ونذیراً)) ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ لوگوں کو گناہ ،فساد ، اور عذاب آخرت سے ڈرائیں اور دوسری جانب خدا کے وعدوں کے متعلق لوگوں کو خوشخبر دیں . (سورہ بقرہ/ آیہ ۱۱۹)

۳۔لوگوں کی تعلیم و تربیت ((یزکیھم و یعلمھم)) اس نے پیغمبرؑ کو لوگوں کیلئے بھیجا تاکہ وہ ان کی تربیت کرے اور ان کو تعلیم دے . (سورہ جمعہ / آیہ ۲)

۴۔ ہر قسم کی قید و بند کے خلاف جدوجہد اور فرسودہ اور بُری رسومات کی زنجیروں سے لوگوں کو آزاد کرنا ان کا مقصد رہا ہے ((ویضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم)) (سورہ اعراف / آیہ ۱۵۷) پیغمبرؑ ایسے سنگین بار اور زنجیریں جو لوگوں کے گلے میں پڑی ہوئی ہیں ان کو اٹھاتے ہیں اور لوگوں کو آزاد کرتے ہیں.

۵۔ اپنے زمانے کے بناوٹی رہبروں کی انحرافی خطاوں کو افشا کرنا اور انھیں ذلیل و رسوا کرنا (فرعونوں ، قارونوں اور انکے عملی و فکری روش کو ظاہر کرنا) ((ولتستبین سبیل المجرمین)) (سورہ انعام / آیہ ۵۵)

۶۔ انبیاء کا چھٹا مقصد ایک ایسے ماحول و معاشرے کی تشکیل ہے کہ جس میں لوگ عدل و انصاف کے ساتھ زندگی بسر کریں اور تمام خاندانی ،اجتماعی ، سیاسی ، اقتصادی روابط میں دوست اور دشمن کے ساتھ ایک عادلانہ رفتار سے پیش آئیں. انبیاء کا مقصد یہ ہے کہ خدا اورقیامت پر لوگوں کے اندر ایمان کو زندہ کریں ، اور

الٰہی طرز تفکر اور اخلاق کو معاشرے کے ہر شعبے میں قائم کریں تا کہ خود لوگ عدالت کی طرف متوجہ ہوں اور عدل پر مشتمل معاشرہ کو تشکیل دیں۔ ((ولقد ارسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط)) (سورہ حدید / آیہ ۲۵) ہم نے اپنے پیغمبروںؑ کو واضح دلائل اور آسمانی کتاب و میزان کے ساتھ لوگوں کی طرف بھیجا تا کہ وہ لوگوں کے درمیان عدل قائم کریں اور کیونکہ ایک عادل معاشرے کے لئے معنوی قدرت کی بھی اور مادی قدرت کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہذا مذکورہ آیت میں دونوں قدرتوں طاقتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے (بینات و کتاب و میزان) ہر ایک عدل قائم کرنے کیلئے ایک معنوی طاقت ہیں، و یہ جملہ (وانزلنا الحدید) جو آیت کے بعد میں ذکر ہوا ہے مادی قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سرکش جان لیں کہ جب بھی وہ ضد اور ہٹ دھری کریں تو قدرت کے ساتھ سرکوب کئے جائیں گے۔

لہذا معلوم ہوا کہ سماجی انصاف کو قائم کرنا انبیاء کے مقاصد میں سے ایک مقصد رہا ہے۔

سماجی عدل و انصاف کے بعض نمونے

امامؑ کا استدلال مساوات کے بارے میں:

یہ اعتراض جو امیرالمؤمنینؑ پر کیا جاتا تھا کہ آپ اموال کو کیوں مساوی طور تقسیم کرتے ہیں اس کے جواب میں آپ فرماتے ہیں (خطبہ ۱۲۶ / نہج البلاغہ)

۱۔ اگر یہ اموال میری ذاتی ملکیت ہوتے تو بھی میں ان کو یکساں طور پر تقسیم

کرتا چہ جائیکہ یہ سب خدا کا مال ہے جو تمام لوگوں سے متعلق ہے لہذا اس مال میں سب لوگ حق رکھتے ہیں (لو کان المال لی لسویت بینهم فکیف وانما المال مال الله).

۲۔ جو شخص مال کو غیر مناسب جگہ خرچ کرے تو اس نے مال میں اسراف و تبذیر کیا (الا وان اعطاء المال فی غیر حقه تبذیر واسراف) (قرآن نے بیہودہ خرچ کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے) (انّ المبذرین کانوا اخوان الشیاطین) (سورہ اسراء)

۳۔ غیر مساوی تقسیم اس بات کا باعث بنتی ہے کہ دنیا پرست لوگوں کا ایک گروہ انسان کے ارد گرد چکر لگانے لگتا ہے جو تملق اور غیر ضروری مدح و تعریف کے ذریعہ کچھ اموال ہتھیانے کی کوشش کرتے ہیں . اور اس طرح وہ انسان کو بار گاہ عدل الٰہی کے سامنے سرنگوں کردینے کے درپے ہوتے ہیں ((و هو یرفع صاحبه فی الدنیا و یضعه فی الاخرة و یکرمه فی الناس و یهینه عند الله)) پھرامامؑ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر انسان اپنے مال کو نا مناسب جگہ اور نا مناسب شخص کو دے تو خداوندعالم اس کو ان لوگوں کی مدح و تعریف سے بھی محروم کردتیا ہے.جھنوں نے اس کے مال کو ناحق طور پر لیا ، اور جلد یا بدیر تاریخ کی ورق گردانی ہوتی ہے اور حالات بدل جاتے ہیں تو وہی تعریف کرنے والے لوگ اس انسان سے روگرداں ہوجاتے ہیں اور کسی دوسرے کی محبت کو دل میں بٹھا لیتے ہیں ۔

ایسا انسان جو مال کو نامناسب جگہ پر خرچ کرے نہ تو عدل الٰہی کے حضور میں آبرو مند رہتا ہے اور نہ ان دنیا پرست لوگوں کے سامنے، جو اس کے ارد گرد جمع ہوئے اور اس کی ناانصافیوں اور بے عدالیتوں سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا ابھی تو اس کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے ہیں اور اگر بدبختی کا دن اس پر آجائے تو یہ اس کو چھوڑ دینگے اور اُس کے بدترین ساتھیوں میں شمار ہونگے.

امامؑ کے ارشاد کو ہم نے مختصر توضیح کے ساتھ بیان کیا اب اُس کے متن کو بھی ہم نقل کرتے ہیں (ولم یضع امرء ماله فی غیر حقه و لا عند غیر اهله الا حرمه الله شکرهم وکان لغیره ودهم فإن ذلت به النعل یوما فاحتاج الی معونتهم فشر خلیل والام خدین) (نہج البلاغہ / صبحی صالح / خطبہ ۱۲۶/ صفحہ ۱۸۳).

وہ مقام جہاں عدالت اسلامی اموال کو ضبط کرتی ہے

جتنا وقت پیغمبرؐ اسلام کے زمانے سے گزرتا گیا لوگوں کا فاصلہ بھی اسلام کے سماجی عدل و انصاف سے زیادہ ہوتا گیا آہستہ آہستہ کام اس مرحلے تک پہنچ گیا کہ عثمان نے کچھ مال بے حساب اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے درمیان بانٹ دیا اور بہت سی اراضی اُن کے اختیار میں دے دی، اس تبعیض اور نا انصافی نے لوگوں کو اُس سے ناراض کردیا یہاں تک کہ اس کو قتل کردیا گیا اور لوگوں نے حضرت علی علیہ اسلام کے ہاتھ پر بیعت کرلی.

اب حضرت علیؑ کی حکومت آئی غلط رسمیں اٹھائی جانے لگیں نور دیدوں کے اموال کو ضبط اور عزل و نصب کے سلسلے میں مناسب کاروائی اور نئے سرے سے

اقدام کیا گیا یہ حضرت علیؑ کے انقلابی اور فوری پروگرام تھے اب ہم انھیں کے کلام کو یہاں نقل کرتے ہیں آپ نے فرمایا : (واللہ لو وجدتہ قد تزوج بہ النساء و ملک بہ الاماء لرددتہ) (خدا کی قسم وہ بے حساب مال اور زمینیں جو عثمان نے اپنے دائیں و بائیں بیٹھنے والوں کو (اپنے قریبی رشتہ داروں اور دوستوں میں) بخشیں تھیں حتی اگر وہ مال کنیزوں کی خریداری اور عورتوں کے مہر میں بھی خرچ ہوا ہو پھر بھی میں اس کو بیت المال میں واپس کرونگا) (نہج البلاغہ / خطبہ ۱۵ / صفحہ ۵۷)

عرب اور عجم کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے :۔ دو عورتیں بیت المال سے اپنا حصہ لینے کیلئے حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، انمیں سے ایک عورت عربی تھی اور دوسری عجمی ، امامؑ نے اپنی ہمیشہ کی روش اور عدالت کے مطابق دونوں عورتوں کو یکساں طور پر حصہ دیا۔

وہ لوگ جنہوں نے ابھی تک اسلامی ثقافت کو لمس نہیں کیا تھا اور اس کی عدالت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے انھوں نے حضرت پر اعتراض کیا اور کہا ، کیا آپ عرب اور عجم یکساں طور پر تقسیم کرتے ہیں ؟ امامؑ نے فرمایا : میں کوئی فرق نہیں سمجھتا ہوں (وسائل الشیعہ / جلد ۱۱ / صفحہ ۱۸) اکثر حضرت علی علیہ السلام لوگوں کے مختلف طبقوں کے درمیان جو مساوی روش اختیار کیے جانے پر خود خواہ اور طاغوت صفت لوگوں کی طرف سے اعتراضات کا نشانہ ہوتے تھے لیکن یہ اعتراضات ان کو ہرگز توحید اور عدالت کی حد سے خارج نہیں کرتے تھے اور قرآن کے مطابق وہ ان لوگوں میں سے تھے جن پر نا معقول ملامت کرنے والوں کی

ملامت کا اثر نہیں ہوتا تھا (و لا یخافون لومة لائم) (سورہ مائدہ آیہ ۵۴)

مُردوں کی اعداد شماری

جاہلیت کے زمانے کے افتخارات میں سے ایک قبیلے کی جمعیت کا زیادہ ہونا بھی تھا، حتیٰ قبیلے کے افراد کے سلسلے میں نزاع و لڑائی یہاں تک پہنچی، کہ انھوں نے کہا کہ ہر قبیلے کے مُردوں کو بھی شمار کریں تاکہ یہ دیکھیں کہ کون سے قبیلے کی جمعیت بہت زیادہ ہے! آیت نازل ہوئی کہ: «الھکم التکاثر حتی زرتم المقابر» کثرت اور زیادتی کے ساتھ دلچسپی نے تمہیں سرگرم بنا دیا یہاں تک کہ مُردوں کے مقبروں کی طرف گئے اور اُن کو بھی شمار کیا اور تم نے اُن کے عدد پر افتخار کیا۔

حضرت علیؑ نے خطبہ ۲۲۱ میں اس آیت کو پڑھنے کے بعد اس قسم کے طرز تفکر کی مذمت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک جلسے میں جہاں ہر شخص اپنے قبیلے و نسل اور حسب و نسب کے متعلق گفتگو کررہا تھا اور فخر کا اظہار کررہا تھا وہاں حضرت سلمان فارسی کی باری آئی۔ جلسے کے تمام لوگ سوچ رہے تھے کہ وہ چونکہ کسی جانے پہچانے قبیلے سے نہیں ہیں لہذا شرم کریں گے، لیکن سلمان جو اسلام کی ثقافت کے پروردہ تھے انھوں نے عظیم سرافرازی و سر بلندی کے ساتھ فرمایا میرے رشتہ داروں سے کوئی سرو کار نہ رکھے میں صرف یہ جانتا ہوں کہ میں گمراہ تھا اور حضرت محمدؐ کے ذریعہ میری ہدایت ہوئی ہے اور جو چیز میرے نزدیک اہم ہے وہ یہی ہے اور بس (سفینۃ البحار جلد ۲/ صفحہ ۳۴۸) انھوں نے اپنے اس ٹھوس جواب کے ساتھ اُن کے جھوٹے فخر فروشی اور مکر و فریب کو بے اثر بنادیا، اور تمام امتیازات کو ختم

کردیا اور اسلام و خداوندعالم کے نزدیک سب کیلئے مساوات کے مسئلے کو بیاں کردیا۔

لوگوں کو خریدنے کا امامؑ کو مشورہ

ایک مصلحت پسند گروہ حضرت علیؑ کی خدمت میں پہنچا اور کہا (افضل الاشراف من العرب و قریش علی الموالی والعجم و من تخاف علیه من الناس و فراره الی معاویه) آپ عرب اور قریش کے جانے پہچانے افراد کو زیادہ حصہ ہما اس طرح ان کو اپنے ارد گرد جمع کریں کیونکہ اگر آپ ان کے حصے کو غلاموں اور عجمیوں کے حصہ سے زیادہ نہ دیں تو ممکن ہے یا تو وہ کارشکنی کریں یا معاویہ سے جا ملیں۔ امامؑ نے فرمایا: کیا لوگوں کو جذب کرنے کیلئے میں بیت المال صرف کروں؟ کیا باج دوں؟ یقینا جو شخص پیسہ لیکر ہمارا طرفدار ہو وہ دوسری طرف سے زیادہ پیسہ لیکر ہمارا مخالف بھی ہو سکتا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم اسلام اور عدالت کا تحفظ کریں اور لوگوں کو خوف اور لالچ کے ذریعہ جذب کرنے پر توجہ نہ رکھیں، میں ہر گز کسی شخص کو دوسرے پر ترجیح نہیں دیتا جو چاہتا ہے ہمارے ساتھ رہے اور جو جانا چاہتا ہے چلا جائے جی ہاں یہ ہے امامؑ کی روش کہ ایک گروہ کو جذب کرنے کیلئے حاضر نہیں ہیں عدالت کے خلاف عمل کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ (بحار/ ج ۶۱/ طبع قدیم/ صفحہ ۱۰۸)

اخوت کا ایک نمونہ

شہر بلخ کا رہنے والا ایک شخص کہتا ہے: کہ میں امام رضاؑ کی خدمت میں

حاضر تھا ، کھانے کا وقت ہوا، اور ایک دسترخوان لایا گیا امامؑ نے تمام سیاہ اور سفید غلاموں کو دستر خوان پر بلایا، اور خود بھی ان کے پاس بغیر کسی ہچکچاہٹ کے بیٹھ گئے ، امام کو مشورہ دیا گیا کہ غلاموں کیلئے ایک الگ دسترخوان بچھا دیا جائے ! امامؑ نے فرمایا : ہمارا خدا ایک ہے اور ہم سب ایک باپ اور ایک ماں سے ہیں اور اچھائی اور برائی کا بدلہ قیامت سے متعلق ہے لہذا یہ خود خواہی کس لیے ؟ (کافی ‎/جلد ۸/ صفحہ ۲۳۰) اگر ایک دن ہم یہ دیکھیں کہ ہر شخص ہر کس مرتبہ کے باوجود تمام لوگوں کے ہمراہ بغیر کسی رنج و تکبر کے اٹھتا بیٹھتا ہے گویا اس دن ہمارا ثقافتی انقلاب کھل اٹھے گا اگر ہر مسلمان بغیر کسی احساس بر تری اور امتیاز کے ایسا کرے، وہ لوگوں کے ساتھ ہو ، اور لوگوں میں سے ہو ، لوگوں میں رہے اور اسلامی اخلاقیات کو اپنے اندر زندہ کرے، تو ہر وہ انسان جو ہمارے ساتھ نشست و برخاست رکھے گا ، وہ ہم سے اور ہمارے مکتب سے آ ملے گا .

اسلام میں مساوات

صدیاں گذر چکی ہیں کہ دنیا میں سیاہ فام لوگوں پر ظلم و ستم ہوتا رہا ہے ، اُن کے حمام، ہوٹل ، پارک اور اُن کے ہسپتال اور مدرسے و قبرستان سفید فام لوگوں سے الگ ہیں . اسلام نے صراحت کے ساتھ ان تمام امتیازات کو ختم کیا اور فرمایا : (ان اکر مکم دعند اللہ اتقیکم) خدا کے نزدیک پسندیدہ تر وہ لوگ ہیں جو پرہیز گار ہیں (سورہ حجرات) شکلوں ، قوموں اور زبانوں کا فرق خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں (ومن آیاتہ اختلاف الستنکم و الوانکم) (سورہ روم / آیہ ۲۲) پیغمبر اسلامؐ نے حج

کے آخری سفر میں لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تمام مسلمان جس قبیلے و قوم اور زبان سے تعلق رکھتے ہوں برابر ہیں (سفینۃ البحار / جلد ۲/ صفحہ ۳۴۸) پیغمبرؐ اسلام اپنے زمانے میں بعض عہدے غلاموں کو دیتے تھے، سفید اور سیاہ کے درمیان رشتۂ ازدواج برقرار کرتے تھے، حتیٰ اپنی پھوپھی کی لڑکی کو ایک سیاہ فام غلام سے بیاہ دیا اس طرح برتری کے مسئلے کو ختم کر دیا۔

ایک غلط روش پر اعتراض

(ثم افیضو من حیث افاض الناس) (سورہ بقرہ / آیہ ۱۹۸) پروردگار عالم نے اس آیت میں ایک ایسے امتیاز پر جسے قریش اپنے لئے قابل فخر سمجھتے تھے خط بطلان کھینچ دیا ہے اس برتری اور فخر کی دلیل یہ تھی کہ وہ لوگ خانۂ کعبہ کے سرپرست تھے، اسی وجہ سے وہ حج کے مراسم میں صحرائے عرفات کی طرف نہیں جاتے تھے اس کے بجائے (مزدلفہ) کی طرف جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم خدا والے ہیں اور ہم حرم سے الگ نہیں ہو سکتے آیت نازل ہوئی کہ تم بھی اُسی طرف جاؤ جہاں دوسرے لوگ جاتے ہیں اور اظہار فخر کو چھوڑ دو۔

مکتب فکر اور دکان رکھنے میں

مستکبرین حضرت نوحؑ کے ماننے والوں کی توہین کرتے اور ان کو رذیل اور پست لوگوں میں شمار کرتے تھے ان کو مشورہ دیتے کہ اگر آپ ان لوگوں کو اپنے سے دور کریں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ سکتے ہیں! وہ حضرتؑ نے جو ہمیشہ غریبوں

اور مستضعفین کے حامی تھے اس کا منفی جواب دیا اور فرمایا (وماانا بطارد الذین آمنوا) میں ہرگز با ایمان لوگوں کو (مستکبرین کو جذب کرنے کی خاطر) اپنے سے دور نہیں کرونگا (سورہ ہود/ آیہ ۲۹) وہ چیز جو ہمارے لیئے باعث اہمیت ہے وہ وہی سماجی عدل و انصاف اور مکتب عقیدہ کی حفاظت ہے اور ہمیں چاہیے کہ ہم لوگوں کو اس کے سائے میں جذب کریں نہ یہ کہ عقیدہ کے ایک حصہ کو نظر انداز کردیں اور اس کے ایک حصہ کو چھوڑدیں اور حق و عدالت کے محور سےخارج ہو جائیں شاید بعض لوگ ہم سے ملحق ہو جائیں اس قسم کی فکر صرف دکانداری اور مُرید بازی ہے نہ کہ اور خدا پرستی.

ایک روٹی کی عادلانہ تقسیم

کچھ لوگوں نے کچھ عمومی اموال کو حضرت علیؑ کی خدمت میں پیش کیا اور لوگ اس کو لینے کیلیئے ٹوٹ پڑے امامؑ نے مال کے ارد گرد ایک رسی کھینچ دی تا کہ کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور لوگوں سے کہا کہ اس سے ذرا فاصلہ اختیار کریں اور آگے نہ آئیں پھر امامؑ خود داخل ہوئے اور پورے مال کو قبائل کے نمائندوں کے درمیان تقسیم کردیاآخر کار امامؑ کی نظرایک روٹی پر پڑی جو ایک برتن میں باقی رہ گئی تھی ، امامؑ نے حکم دیا کہ اس روٹی کو بھی تمام بیت المال کی طرح سات حصوں میں تقسیم کریں اور ہر قبیلے کو اس کا ایک حصہ دے دیں. (بحار/ جلد ۴۱/ صفحہ ۱۳۶)

ہمارا انقلاب اسی وقت دوسرے ممالک میں پھلے پھولے گا جب اس روش کو خود ہم اپنے ملک میں رائج کریں اور دنیا کو بھی باور کرائیں اور سمجھائیں اور

اسراف و تبذیر کے بجائے یہ وقت نظر بیت المال میں بھی رکھیں اور حاکم اسلامی اور دوسرے لوگوں کے درمیان ایک موازنہ کریں .

کچھ لوگوں کیلئے اعتقاد خراب نہ کریں

مدینے کے ایک مسلمان کے گھر سے کچھ چیزیں چوری ہوگئیں اس سلسلے میں دو آدمیوں پر الزام عائد ہوا ،چوروں میں سے ایک مسلمان اور دوسرا یہودی تھا دونوں کو گرفتار کرکے پیغمبر اکرمؑ کے سامنے پیش کیا گیا، مسلمانوں کے درمیان بے چینی پیدا ہو گئی کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسلمان نے چوری کی ہے تو ہماری آبرو مدینہ میں اور یہودیوں کے نزدیک باقی نہیں رہے گی، پیغمبر اکرمؑ کی خدمت میں پہنچے اور کہا، مسلمانوں کی عزت خطرے میں ہے یہ کوشش کریں کہ مسلمان بری ہو جائے ! لیکن پیغمبر اکرمؑ غلط اور نا حق فیصلے کو اسلام اور مکتب اسلام کیلئے آبروریزی سمجھتے تھے، انھوں نے کہا یہودیوں نے اب تک ہم پر مظالم ڈھائے ہیں اور بالفرض اگر اس سلسلے میں ایک یہودی پر ظلم ہو بھی جائے تو یہودیوں کے ان مظالم کے سامنے یہ ایک معمولی سی چیز ہے ! پیغمبر اکرمؑ نے فرمایا، عدالت اور قضاوت کا حساب گذشتہ تلخیوں کے حساب سے الگ ہے. آخر کار دونوں ملزموں کے متعلق پیغمبرؑ نے چھان بین فرمائی اور مسلمانوں کی مرضی کے برخلاف یہودی بری ہوگیا، عدالت کا یہ نمونہ اگر چہ اس زمانے کے مسلمانوں کیلئے سطحی طور پر آبروریزی کا باعث تھا لیکن حقیقت میں اس نے عدالت اور مکتب اسلام کو ہمیشہ کیلئے آبرومند اور باعظمت بنا دیا، ہاں ہمیں اپنے مکتب اور عقیدہ کی فکر کرنی

چاہیئے اور لوگوں اور گروہوں کو خوش رکھنے کیلئے نہ تو مکتب سے کسی چیز کو کم کرنا چاہیے اور نہ اس میں کسی چیز کا اضافہ کرنا چاہیے۔

ایک نامناسب توقع کا جواب :

ایک گروہ پیغمبر اکرمؐ کی بزم کے پاس سے گزرا انھوں نے کم سرمایہ اور غریب لوگ مثل عمار یاسر اور بلال کو پیغمبرؐ کے پاس بیٹھے دیکھا اور بڑے تعجب کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ سے کہا۔ کیا آپ نے انہی گمنام لوگوں پر قناعت کی ہے، جتنا جلدی ہو سکے انکو اپنے پاس سے دور کریں تاکہ ہمارے۔ جھکاؤ کا راستہ پیدا ہو جائے۔

صاحب تفسیر المنار اس واقع کو نقل کرنے کے بعد یوں اضافہ کرتے ہیں کہ عمر نے قریش کے مستکبرین کے اس مشورے کی طرف دلچسپی کا اظہار کیا اور پیغمبرؐ سے کہا کہ بطور امتحان کچھ عرصے کیلئے ان غریب لوگوں کو اپنے سے دور کیجئے۔ تاکہ ہم دیکھیں کہ ان مستکبرین کے۔ جھکاؤ کیلئے کوئی راہ ہموار ہوتی ہے یا نہیں ؟ اور کیا وہ اپنے مشورے میں سچے ہیں؟ آیت نازل ہوئی اور پیغمبر اکرمؐ کو آگاہ کیا کہ

((ولاتطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی یریدون وجھہ)) (سورہ انعام آیہ ۵۲)

وہ لوگ جو صبح و شام خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس کی ذات پاک کے سوا کسی کو نظر میں نہیں رکھتے ان کو اپنے سے دور مت کرو پھر آیت کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے اگر ان مؤمنین کو اپنے سے دور کروگے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فیصلوں کو سطحی طور پر نہ لیں

دو بچوں نے قسم کی تحریر لکھی اور اسکو امام حسنؑ کے پاس لے آئے تا کہ وہ ان دونوں کی تحریر کے درمیان فیصلہ کریں ہر معمولی انسان یہاں اس مسئلے کو سطحی نظر سے دیکھتا ہے، کیو نکہ اول یہ کہ فیصلہ تحریر کے سلسلہ کرنا ہے دوسرے اس مسئلے کے طرفین دو بچے ہیں. لیکن تھوڑا ہو یا زیادہ، بچہ ہویا بڑا ہو جو کچھ ہے وہ قضاوت ہے. لہذا حضرت علیؑ نے امام حسنؑ کو آگاہ کیا کہ قضاوت کرتے وقت متوجہ رہو، جو کچھ قضاوت تم آج کرو گے کل قیامت کے دن خدا کی عدالت میں اس کا جواب دینا ہے! ((انظر کیف تحکم فان هذا حکم و الله سائلک عنه یوم القیامه)) (مجمع البیان/جلد ۳/ صفحہ ۲۴).

جب مہمان کو بھی باہر کرتے ہیں

ایک شخص حضرت علیؑ کے ہاں مہمان ہوا. ایک مدت کے بعد اُس کے اور اُس کے حریف کے مقابل جو جھگڑا ہوا تھا حضرت علیؑ کے سامنے پیش ہوا، امامؑ نے فرمایا. تو اب تک مہمان تھا لیکن اب کہ تم جھگڑے کے ایک حریف ہو لہذا ہمارے ہاں سے باہر چلے جاو، کیونکہ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: کہ ہرگز مدعی اور مدعاعلیہ میں سے کسی کو مہمان نہ بنائیں مگر یہ کہ دوسرا شخص بھی حاضر ہو مہمانی کا حساب الگ ہے اور فیصلہ کرنے کا حساب الگ، مہمانی مہربانی کی بنیاد پر ہوتی ہے اور فیصلہ قانوں کی بنیاد پر. اصولی طور پر ہر قسم کے اور روحی کام سے جن

کا کچھ فیصد عدالت اور قضاوت پر اثر ہونے کا احتمال ہو دوری اختیار کرنی چاہئے (وسائل /جلد ۱۸/ صفحہ ۱۵۷/) حضرت علیؑ مالیات جمع کرنے والے افراد سے سفارش کرتے ہیں کہ جس علاقے میں بھی تم جاؤ کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا پانی کے چشمے کے پاس ٹھہر جاؤ، کیونکہ تمہارا مہمان ہونا ممکن ہے لوگوں سے مالیات وصول کرنے پر اثر انداز ہو ۳۱/ (نہج البلاغہ/ نامہ ۲۵/)

قرآن مجید کا سخت اعتراض

قرآن کی آیات نازل ہو رہی تھیں اور وہ آہستہ آہستہ لوگوں کو اپنی طرف جذب کر رہا تھا خود پیغمبر اسلامؐ اور بعض مسلمان بھی ہمیشہ اسلام کی پہچان اور لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں سعی و کوشش کرتے تھے اسی اثناء میں ایک جلسہ تشکیل پایا اور جانے پہچانے لوگوں نے اس میں شرکت کی، ان لوگوں کی گفتگو اور اسلام قبول کرنے کیلئے دعوت کے دوران ایک نابینا شخص داخل ہوا اور اس نے بولنا شروع کردیا اپنی کہی گئی باتوں کی وہ تکرار بھی کرتا تھا، اس نابینا شخص کے اس عمل نے گفتگو کا سلسلہ روک دیا لہذا جلسے کا مقرر ناراض ہو گیا اور اس کی پیشانی پر برہمی کے آثار نمایاں ہوگئے وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس حال میں نابینا شخص داخل ہو اور اگر داخل ہو گیا ہے تو کم از کم خاموش بیٹھا رہے جب کہ برہمی و خوشروی نابینا کیلئے کوئی فرق نہیں رکھتی۔

لیکن قرآن اس سلسلے میں "سورۂ عبس" کی چند آیات میں اشارہ کرتا ہے اور جلسے کے مقرر کو آگاہ کرتا ہے کہ تونے اپنا منہ کیوں بنا لیا اور ارشاد ہوتا ہے

کہ تو کیا جانتا ہے شاید وہ نابینا شخص ان تمام بڑے لوگوں سے حق اور تزکیہ کو قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہو۔

حضرت علیؑ کی عدالت کا ایک دوسرا نمونہ :-

حضرت علیؑ کے بھائی عقیل بھوکے اور پژمردہ بچوں کے ساتھ اپنے بھائی امیرالمؤمنین کی خدمت میں پہنچے اور بیت المال سے زیادہ حصہ لینے کا تقاضہ کیا۔ ظاہری بات ہے کہ ہر بھائی اپنے بھائی کے بھوکے بچوں کو دیکھ کر متاثر ہوجاتا ہے۔ لیکن امامؑ نے صاف طور پر منفی جواب دیا۔ اور اپنے منفی جواب کے فلسفہ کو بھائی کے سامنے پیش کرنے کیلئے ایک گرم لوہے کو حضرت عقیل کی طرف بڑھایا اور فرمایا کہ جسطرح تم اس گرم لوہے کے قریب ہونے سے ڈرتے ہو اسی طرح میں بھی قیامت کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (نہج البلاغہ / صبحی صالح / صفحہ ۳۴۷)

جو کام کوئی شخص نہیں کرتا :-

معمولاً بڑے اور مشہور لوگ اشیاء کی خریداری کیلئے یا خود بازار جاتے ہیں یا اگر کسی اور کو بھیجیں تو وہ بیچنے والے کو بتا دیتا ہے کہ ہم اس چیز کو فلاں شخصیت کیلئے چاہتے ہیں تا کہ چیز بھی بہترین دے اور سستی بھی حساب کرے! بعض مواقع پر یہ عمل ممکن ہے رشوت یا غلط طور پر فائدہ اٹھانے کا موجب بن جائے اور مسلمانوں کے بازار میں تبعیض پیدا ہو جائے کہ بہترین چیز کو ایک گروہ مناسب قیمت کے ساتھ خریدے اور دوسرے لوگ متوسط اور درمیانی اشیاء کو

زیادہ قیمت کے ساتھ خریدیں۔

لیکن صرف حضرت علیؑ تھے جو کوشش کرتے تھے کہ ایسے لوگوں سے چیز خریدیں جو انھیں نہ پہچانتے ہوں یا اگر کسی کو بازار بھیجتے تھے تو بیچنے والا متوجہ نہ ہو کہ وہ شخص کس کیلئے خریداری کر رہا ہے۔

امامؑ کی دقت نظر کا دوسرا نمونہ

حضرت علیؑ بیت المال کو بانٹتے تھے، امامؑ کے پوتوں میں سے ایک بچہ آیا اور ایک چیز اٹھا کر لے گیا، یہاں ہر باپ ممکن ہے مسئلہ کو نظر انداز کر دے، لیکن امامؑ پریشان و سراسیمہ بچے کے پیچھے گئے اس چیز کو بچے کے ہاتھ سے لیا اور واپس بیت المال میں رکھ دیا۔

لوگوں نے حضرت سے کہا کہ اس بچے کا بھی حصّہ ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "ہرگز نہیں! بلکہ صرف اسکے باپ کا حصّہ ہے، اور وہ بھی ہر عام مسلمان کے حصّے کے برابر، جب بھی اپنا حصّہ لے گا جتنا ضرورت سمجھے گا اس بچے کو دے دیگا" (حیاۃ الامام حسنؑ۔ باقر شریف القرشی جلد ۱، صفحہ ۳۸۸)

البتہ امامؑ کی اس قسم کی سختی صرف بیت المال سے متعلق تھی لیکن اپنا ذاتی مال بخشنے میں امام کی سخاوت اس درجہ پر ہے کہ معاویہ کہتا ہے کہ اگر حضرت علیؑ کے پاس دو کمرے ہوں ایک گھاس سے بھرا ہوا ہو اور دوسرا سونے سے تو ان کے لئے دونوں کا بخشنا یکساں اور مساوی ہے۔

حضرت علیؑ پر غیر مناسب اعتراض

طلحہ و زبیر پیغمبر اکرمؐ کے اصحاب سے تھے اور اپنے لئے بعض امتیازات کے قائل تھے لہذا کبھی کبھار بیت المال کی تقسیم میں یا دوسرے مسائل میں حضرت علیؑ کی روش پر اعتراض کرتے تھے ایک مرتبہ امامؑ پر انھوں نے اعتراض کیا کہ آپ ہم سے مشورہ کیوں نہیں کرتے ہیں ؟ !

امامؑ نے کام کی تفصیل اور اپنی عدالت و لیاقت و صلاحیّت بیان کرنے کے بعد فرمایا "کیا آپ تصور کرتے ہیں کہ میں انحصار طلب اور ریاست خواہ ہوں اس وجہ سے آپ کے ساتھ مشورہ نہیں کرتا ؟

خدا کی قسم مجھے مقام و منصب کی کوئی ضرورت نہیں تم نے خود مجھے مجبور کیا اور میری بیعت کی اور حکومت کی باگ ڈور کو میرے ہاتھ میں دے دیا ، میں نے بھی قرآن اور پیغمبرؐ کی روش کو سرمشق قرار دیا ہے اور ان کے دستورات کے مطابق عمل کرتا ہوں ابھی تک میں ایسے مسئلہ سے دوچار نہیں ہوا کہ اس کے متعلق کوئی حکم نہ آیا ہو اور اس میں تم سے یا تمام مسلمانوں سے مشورے کی ضرورت پڑی ہو .

اگر ضرورت پڑی تو تم سے بھی اور دوسروں سے بھی ضرور مشورہ کیا جائیگا اور کوئی فرق تمہارے اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان مشورے کے سلسلے میں کوئی بھی نہیں رکھوں گا . (نہج البلاغہ / صبحی صالح / نامہ ۲۷ / صفحہ ۳۸۳)

عدالت رفتار میں

حضرت علیؑ نے "محمد بن ابی بکر" کو جو مصر میں امامؑ کے نمائندہ تھے، ان کے ایک نامہ میں یوں لکھا " وآس بینھم فی اللحظۃ وا لنظرۃ " (نہج البلاغہ / صبحی صالح / نامہ ۲۷ / صفحہ ۳۸۳) اپنے تمام اعمال اور رفتار میں مساوات کی رعایت کرو، یہ دقت اور عدالت اس لئے ہے کہ معاشرے کے کمزور لوگ تمہارے لطف سے مایوس نہ ہوں اور مستکبرین تمہاری بے عدالتی اور ظلم کی طمع و حرص نہ رکھیں۔ ایک حدیث میں ہم یوں پڑھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ جس وقت لوگوں کے ساتھ بات کرتے تھے اپنی نگاہوں کو اصحاب کے درمیان عادلانہ طور پر تقسیم کرتے تھے (وسائل الشیعہ جلد ۸/ صفحہ ۴۹۹) اسلام نے اس قدر اس بارے میں توجہ دی ہے اور سفارش کی ہے کہ مہمان نوازی میں غذا (کھانا کھانے سے) صرف کرنے سے پہلے مہمانوں کا ہاتھ دھونے کیلئے اگر دائیں طرف سے آغاز کیا ہے تو کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے کیلئے جب پانی لائیں تو بائیں طرف سے شروع کریں تا کہ وہ شخص جس نے سب سے پہلے ہاتھ دھوئے ہیں کھانے کے بعد سب سے بعد میں اپنے ہاتھ دھوئے۔ سچ بتائیں کہ آپ عدالت اور دقت کا یہ نمونہ کسی اور دین میں ہیں۔

کاغذ بازی نہ کریں

حضرت علیؑ نے ایک حکم نامہ میں اپنے نمائندوں کو لکھا " ادقوا اقلامکم " اپنے قلموں کی نوک کو تیز کریں " و قاربوا بین سطورکم " اور لکھنے میں

سطور کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ چھوڑیں " واحذفوا من فضولکُم " اضافی باتوں کو چھوڑ دیں " واقصدُوا قصد المعانی " عبارت پر زیادہ توجہ کے بجائے معانی و مطالب کے بیان پر اکتفاء کریں " وایّاکُم والاکثار " زیادہ لکھنے اور کاغذوں کو فضول خرچ کرنے سے پرہیز کریں " فانّ اموال المسلمین لاتحتمل الاضرار " کیونکہ یہ کاغذ بیت المال سے ہیں اور مسلمانوں کا بیت المال نقصان برداشت نہیں کرسکتا (بحار / جلد ۴۱ / صفحہ ۱۰۵) حضرت علی علیہ السلام خطبہ ۲۲۴ میں عدالت کی اہمیت اور ظلم سے نجات کے متعلق ایک بہترین بات ارشاد فرماتے ہیں اور اسی خطبے میں فرماتے ہیں " خدا کی قسم اگر سات اقلیم (جس طرح آج کرۂ زمین کو کچھ براعظموں میں تقسیم کیا گیا ہے گذشتہ زمانے میں کرۂ زمین کے رہائشی مناطق کو ہفت اقلیم سے تعبیر کیا جاتا تھا) کو بھی مجھے دیں تاکہ میں خدا کی معصیت کروں اور ایک چیونٹی کے منہ سے جو کا چھلکا لے لوں تو اس کے لئے تیار نہیں ہوں، خدا کی قسم اگر صبح سے لیکر شام تک مجھے تیز چھریوں پر لٹائیں یہ میرے لئے اچھا ہے اس سے کہ میں خدا اور اسکے رسول گرامیؐ کے سامنے ستمکاروں میں شمار کیا جاوں.

اپنا حصہ بڑھانے کی کوشش

طلحہ اور زبیر حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا عمر ہم کو دوسروں سے زیادہ حصّہ دیتے تھے اور اس جملے کے ذریعہ انھوں نے اشارہ کیا کہ آپ بھی ہمیں زیادہ حصّہ دیں، حضرت علیؑ نے فرمایا " پیغمبر اکرمؐ آپ کو کیا دیتے تھے " ؟ وہ خاموش ہو گئے حضرتؑ نے فرمایا " کیا پیغمبر اکرمؐ مسلمانوں کے درمیان مال

مساوی طور پر تقسیم نہیں کرتے تھے" ؟ انھوں نے کہا ہاں پیغمبرؐ مساوی طور پر تقسیم کرتے تھے۔ امامؑ نے فرمایا " میں پیغمبرؐ کی روش اختیار کروں یا عمر کی روش کو" ؟ انھوں نے کہا یقیناً پیغمبرؐ کی روش کو۔ پھر امامؑ نے فرمایا " پس آپ بیشتر حصّے کے کیوں منتظر ہیں" ؟ انھوں نے کہا اسلئے کہ ہم بھی اسلام لانے میں سبقت رکھتے ہیں، پیغمبرؐ سے قرابت بھی رکھتے ہیں اور بہت نزدیک بھی ہیں، سختیوں و مشکلات میں بھی ہم نے زیادہ شرکت کی ہے۔

امامؑ نے فرمایا " میں ان تینوں موضوعات میں تم پر سبقت رکھتا ہوں اور تم سے آگے ہوں، کیوں کہ تم سے پہلے پیغمبرؐ پر ایمان لایا ہوں اور ان کے چچا کا فرزند اور ان کا داماد ہوں اور سب سے زیادہ میں نے لڑائیوں میں شرکت کی ہے لیکن خدا کی قسم ان تمام امتیازات کے باوجود میرا حصّہ جبکہ میں اسلامی حکومت کا سربراہ بھی ہوں اس کارگر کے حصے کے برابر ہے جو اس گوشے میں کام کرتا ہے۔

(بحار/ جلد ۴۱ / صفحہ ۱۱۶)

عہدہ سے غلط فائدہ اٹھانا ممنوع

حضرت علیؑ نے اپنی حکومت کے پائیتخت کوفہ میں لوگوں سے خطاب فرمایا اور کہا " اے کوفہ کے لوگو! اگر تم دیکھو کہ میں تمہارے شہر سے باہر گیا ہوں اور اس حالت کے بجائے جو پہلے تھی میرا لباس، خوراک، یا میرا غلام اور مرکب بدل گئے اور اپنی حکومت کے دوران میں نے ایک خوشحال زندگی اپنے لئے درست کرلی ہے تو سمجھ لو کہ میں نے حکومت میں تم سے خیانت کی ہے۔ جب وہ لوگوں کو روٹی

اور گوشت دیتے تھے تو خود وہ روٹی کو بغیر گوشت کے استعمال کرتے تھے " کان علیؑ یقول یا اھل الکوفہ اذا انا خرجت من عندکم بغیر راحلتی ورحلی و غلامی فلان فانا خائن...." (بحار، جلد ۴۱، صفحہ ۱۳۷)

اسلام میں برابری کا ایک اور نمونہ

پیغمبر گرامیؐ لوگوں کے درمیان معمولی لباس کے ساتھ آیا جایا کرتے تھے اس طرح کہ کبھی اگر کوئی اجنبی شخص مسجد میں داخل ہوتا تو ان کو نہیں پہچان سکتا تھا تھوڑی دیر تک وہ لوگوں کے چہروں کو دیکھتا تھا اور آخر کار پوچھتا تھا " ایکم رسول اللہ "، تم میں سے کون پیغمبرؐ ہیں اور اصحاب کے ساتھ بیٹھتے وقت دائرہ بنا کر بیٹھتے تھے .اس طرح کہ جلسے میں اونچی اور نیچی طرف کا تصور نہیں ہوتا تھا. ہاں یہ ہمرنگی و سادگی اور خصوصیات ، مکتب انبیاء کی دین ہے کسی ملک کا سفیر اسلامی انقلاب کے رہبر امام خمینیؒ کے گھر آیا اور اسنے کہا ان کے گھر میں بچھے معمولی فرش ان موکٹوں اوران کی سادہ زندگی نے مجھے حیران کردیا ہے .

عزیز داری ممنوع

ایک عورت جو ایک مشہور طائفۂ بنی مخزوم سے تعلق رکھتی تھی . اس نے چوری کی . پیغمبرؐ نے وارادہ کیا کہ حکم خدا کو اس کے متعلق جاری کریں عورت کے خاندان والوں نے جو اس عمل کو اپنی توہین اور ذلت سمجھتے تھے دوڑ دھوپ شروع کردی اور ایک شخص بنام " اسامہ " کو جو پیغمبر اسلامؐ کے دوستوں میں سے

تھے پیغمبرؐ کے نزدیک سفارش کا وسیلہ بنا کر بھیجا تا کہ چوری کہ حد اس عورت پر جاری نہ کریں۔

پیغمبر اسلامؐ غیض میں آگئے اور اسامہ سے فرمایا کیا تو وسیلہ بنتا ہے کہ حکم خدا جاری نہ ہو ؟! گذشتہ امتوں کی ہلاکت اور بدبختی کی علت یہ تھی کہ جب بھی بڑے لوگ غلط کام کرتے تھے، حکم خدا انکے متعلق جاری نہیں ہوتا تھا لیکن کمزور اور گمنام لوگوں کی پر حد جاری ہوتی تھی خدا کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دوں۔ (صحیح بخاری و مسلم بہ نقل از روح الدین اسلامی)

حکومت اسلامی میں

حکومت چلانے والے بھی کوڑے کھاتے ہیں

اس بات کے پیش نظر کہ اسلامی معاشرے میں عمومی عفت کا لحاظ رکھا جائے اور اسلام پردے کے حکم، نہی عن المنکر و امر بالمعروف کے علاوہ کچھ جگہوں میں بعض افراد (لوگوں) کے متعلق جسمی تنبیہ کو بھی جائز سمجھتا ہے۔ البتہ یہ جسمی تنبیہ لوگوں کی آبرو ختم ہو جانے کے برابر ہے لیکن اگر بعض لوگ خود چاہیں کہ عمومی عفت کو لوگوں کی آنکھوں کے سامنے داغدار بنائیں اسلام کے قوانین و مذہب کو خاطر میں نہ لائیں اور اپنے غلط عمل کے ذریعہ دوسروں کیلئے بھی راہ ہموار کریں تو یہ وہ جگہ ہے جہاں سختی کے ساتھ اور شدت کے ذریعہ ان گستاخ لوگوں کو عوام کے سامنے تنبیہ کرنا چاہیے یہ تادیب خود ایک قسم کی عبادت ہے جو خدا کے حکم

کے مطابق جاری ہونی چاہیے اور انتقام لینے کا پہلو اس میں ہرگز نہیں ہونا چاہیئے لہذا ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ ایک عورت جو بدکاری کی مرتکب ہوگئی تھی حضرت علیؑ کی عدالت میں بلائی گئی امامؑ نے مکمل تحقیق کے بعد حکم دیا کہ حکم خدا کو جاری کیا جائے . قنبر جو حضرت علیؑ کے چاہنے والوں میں تھے اور اس حکم کے اجراء کی ذمہ داری بھی ان کو سونپی گئی تھی انہوں نے تین عدد کوڑے غصّے کے سبب زیادہ لگائے جونہی امام اس قصّہ سے آگاہ ہوئے انھوں نے کوڑے کو قنبر سے لیا اور انھیں زمین پر لِٹایا پھر تین اضافی کوڑے ان کو لگائے یہ ہے عدل اسلامی کہ حتیٰ وہ شخص جو برسوں امامؑ کی خدمت میں رہا اور اب بھی حد کے اجرا کی ذمہ داری اسے سونپی گئی غلطی پر وہ بھی سزا کا مستحق ہوتا ہے .

منہ بند رکھنے کی قیمت دی جائے

سال ہا سال کے بعد جب حکومت اسکے اہل کو دی گئی اور حضرت علیؑ نے زمام امور کو اپنے ہاتھ میں لیا مسلمانوں کا ایک گروہ جو ابھی تک اسلام کی حقیقت کو نہیں پہچانتا تھا وہ صرف بین الاقوامی سیاستدانوں کی طرح سوچتا کرتا تھا ، امام کی خدمت میں پہنچا انھوں نے کہا آپ کی حکومت نئی ہے اور آپ کو اپنی طاقت کے ستونوں کو مضبوط بنانے کی شدید اور سخت ضرورت ہے ہم یہ مشورہ دیتے ہیں کہ بیت المال سے کچھ رقم روسا ، اور بڑے لوگوں اور حکومت کے چہتیوں کے درمیان تقسیم فرمائیں تا کہ اس طرح امکانی دشواریوں کو روکا جائے یعنی منہ بند رکھنے کا حق انھیں ادا کیا جائے ، امامؑ نے ان خدا سے بے خبر اور علیؑ کی معرفت نہ رکھنے

والے سیاستمداروں کے جواب میں فرمایا "کیا تم مجھ جیسے شخص سے توقع رکھتے ہو کہ میں اپنی عدل کی حکومت کے ستونوں کو ظلم و ستم کے ساتھ مضبوط بناؤں ! اور کیا شرک کے پاؤں کے ذریعہ انسان توحید کے مقصد تک پہنچ سکتا ہے؟" اگر میں نے حکومت کو قبول کیا ہے تو اس لیے کہ اس قسم کی نا انصافیوں اور باج ادا کرنے کو، مسلمانوں کے درمیان سے ختم کردوں اور آپ توقع رکھتے ہیں کہ میں ایسے عمل کا ارتکاب کروں اور اس طرح عدل ختم کرنے کا ذمہ دار قرار پاؤں ؟ ! (وسائل ج ۱۱ / صفحہ ۸۰)

کمالات کی بناپر زیادہ حصہ نہیں لینا چاہیے

امام صادقؑ نے فرمایا " تمام مسلمان اسلام کے فرزند ہیں اور میں انکے درمیان بیت المال کی تقسیم میں کوئی فرق نہیں سمجھتا ہوں اور معنوی کمالات جیسے اسلام ، علم کا زیادہ ہونا یا تقویٰ و جہاد اسی طرح کے دوسرے کمالات قیامت سے متعلق ہیں نہ یہ کہ بیت المال سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لئے" (وسائل ج ۱۱ / صفحہ ۸۱)
معلوم ہوتا ہے کہ امامؑ کا یہ بیان بعض توقعات یا فکری روش کے سلسلے میں تھا بعض لوگ اس بات کے منتظر تھے کہ جن فضائل کے وہ حامل ہیں ان کی وجہ سے وہ خاص توجہ کا باعث قرار پائیں اور بیت المال سے زیادہ حصہ لینے کے حقدار بن جائیں کہ امام صادقؑ نے مذکورہ بیان کے ذریعہ اس غیرمناسب توقع اور فکری روش کو ختم کردیا ۔ یقیناً اگر بعض کمالات و فضائل اور عمدہ صفات کی وجہ سے ہم زیادہ حصّہ دے دیں تو ہم دو خطاؤں کے مرتکب ہونگے ۔

۱۔ یہ کہ کمالات کی اہمیت کو ہم نے ایک ناچیز قیمت کے ذریعہ خریدا ہے .

۲۔ اخلاص کو صاحب کمال لوگوں میں ہم نے متزلزل کیا ہے . کیونکہ کمالات حاصل کرنے کی راہ میں ہم نے ان کی نظر کو مادی مسائل کی طرف موڑ دیا ہے اور یہ بات واضح ہے کہ اگر ہم معنوی صفات اور روحی کمالات کی قیمت لگائیں اور ان کو بیت المال سے کم اور زیادہ حصہ ادا کرنے کا باعث سمجھیں تو اس طرح ہم نے راہ کمال طے کرنے والوں پر ایک ناقابل تلافی ضرب لگائی ہے .

امامؑ کا شدید اعتراض

حضرت علیؑ شخصاً اپنے نمائندوں کے کاموں کو زیر نظر رکھتے تھے اور محقق و آشکار محاسب ان پر مقرر فرماتے تھے . اس کے علاوہ عوام مکمل آزادی کا حق رکھتے اور نمائندوں کے کمزور پہلوؤں کو امامؑ تک پہنچاتے ، ان شکایات میں ایک ایسی شکایت بھی تھی جو فارس میں امام کے نمائندے کے متعلق بھیجی گئی تھی ، شکایت یہ تھی کہ یہ نمائندہ اپنے رشتہ داروں اور تمام مسلمانوں کے درمیان فرق رکھتا ہے اور انکو زیادہ حصہ ادا کرتا ہے . امامؑ جو مظہر عدالت تھے آپ نے اپنے نمائندے کو آگاہ کیا اور ایک خط میں لکھا ، تیرے اور تیرے رشتہ داروں اور دوسرے تمام مسلمانوں کے درمیان ذرہ برابر فرق نہیں ہونا چاہیے (نہج البلاغہ عبدہ جلد ۳ صفحہ ۷۶)

امامؑ کا عمر کو آگاہ کرنا

حضرت علی علیہ السلام نے بعض نصیحتوں میں جو عمر کو کرتے تھے فرمایا " کہ

تم تین بنیادی مسئلوں میں بہت دقت کرو:

اول۔ ان حدود میں جو مجرموں اور غلط کام کرنے والوں کے درمیان جاری کرتے ہو لوگوں کے درمیان کسی قسم کے امتیاز کو مدّ نظر نہ رکھو۔

دوسرے۔خوشی اور غضب، ہر حال میں خدا کے حکم کے مطابق احکام جاری کرو۔

تیسرے۔ بیت المال کی تقسیم میں نژاد و ذات پات کی رعایت نہ کر (وسائل الشیعہ جلد ۱۸/ صفحہ ۱۵۶ بنقل از الحیاۃ جلد ۲/ صفحہ ۳۸۷)۔

یعنی خدا کا حکم جاری کرنے کے سلسلے میں روحی حالت (خوشی و غضب) و ذات پات و قبیلے اور دوسرے روابط کو مدنظر نہ رکھو۔

امامؑ نے عدالت کو کیوں ترک کیا

عمر کی حکومت کا دور تھا۔ ایک شخص نے حضرت علیؑ کے خلاف قاضی وقت کے پاس شکایت کی، دونوں فریق عدالت میں حاضر ہوئے، قاضی جس کو گفتگو کرنے حتیٰ نگاہ کرنے اور نام لینے میں دونوں فریقوں کے درمیان یکساں عمل کرنا چاہیئے، اس نے امامؑ اور دوسرے شخص کا نام لینے میں فرق کیا اس نے امامؑ کا نام احترام اور کُنیت کے ساتھ لیا لیکن دوسرے شخص کو صرف اس کے نام کے ساتھ پکارا۔ امام غصّہ ہو گئے آپ نے کورٹ (عدالت) کو ترک کر دیا اور فرمایا " عادل قاضی کو دو فریقوں کے درمیان فرق نہیں رکھنا چاہیے تم نے ہمارا نام لینے میں فرق

کیا اور مجھے خاص احترام کے ساتھ خطاب کیا یہ اسلامی عدالت نہیں ہے۔ (صوت العدالۃ الاسلامیہ بنقل از داستان راستان)

دوسرا مطلب جو اس واقعہ میں نظر آتا ہے، وہ یہ کہ علیؑ جیسی ہستی کا حاضر ہونا ایک گمنام شخص کے ساتھ ہے اور وہ بھی بغیر اس کے کہ ان کے لیئے ایک خاص عدالت یا ایک خاص وقت یا ایک مخصوص قاضی یا مخصوص جگہ مدّ نظر رکھی جائے، لہذا یہ خود عدالت اسلامی کے اوج و بلندی کا نقطہ ہے۔

عدالت کے نمونہ

بحث و عمل میں ضد

قرآن مجید کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو اس کی عادلانہ روش کو تمام موضوعات میں مشاہدہ کرتے ہیں اس کے تمام احکام میں بے طرفی، عدالت اور انصاف بخوبی نظر آتی ہے ہم اس کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ اسلام جب چاہتا ہے کہ شراب کو حرام قرار دے تو پہلے اس کے منافع (وہ اقتصادی منابع جو شراب بنانے کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں یا اس کے طبی منافع) کی طرف اشارہ کرتا ہے اور پھر ارشاد فرماتا ہے! "واثمهما اکبر" کہ شراب کا نقصان اس کے فوائد سے بڑھ کر ہے۔

۲۔ قرآن مجید اپنے ان تمام امتیازات کے باوجود کہ جو دین اسلام رکھتا ہے

اپنے سے پہلے نازل ہونے والی آسمانی کتابوں کو نظر انداز نہیں کرتا اور ارشاد فرماتا ہے " ومصدقاً لما بین یدیہ " تحریف نہ ہوئی کتابیں توریت اور انجیل جو مجھ سے پہلے نازل ہوئیں ان کی میں تصدیق کرتا ہوں ۔ اور یہ خود انصاف کا ایک دوسرانمونہ ہے ۔

۳ ۔ اہل کتاب (یہود و نصاری) کی امانت داری کے سلسلے میں سب کو ایک بیان کے ذریعہ سرزنش نہیں کرتا ہے بلکہ ارشاد ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض اس قدر امین ہیں کہ اگر بہت سا مال بھی ان کے نزدیک امانت کے طور پر رکھ دیا جائے تو وہ اس میں خیانت نہیں کرتے اور مال کو صحیح و سالم آپ کو واپس کر دیں گے ۔ لیکن ان میں سے بعض اس قدر ذلیل و پست اور خائن ہیں کہ اگر آپ ایک دینار کو ان کے پاس رکھیں آپ کو وہ بھی واپس نہیں دیں گے (آل عمران / ۷۵) یہ پیغمبرؐ اسلام کے منصفانہ بیان اور حق بات کا نمونہ ہے ۔ ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے حتی ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا، روایات اور اخلاقِ اسلامی میں اس بات کی تاکید کی گئی ہے ۔ کہ علمی گفتگو میں اگر بحث ، عدالت کے مدار اور حق کی تلاش کے محور سے خارج ہو جائے اور جھگڑے و اپنی بات منوانے کا باعث بن جائے تو فوراً بحث ترک کردیں۔ اگرچہ حقیقت میں حق ہماری طرف ہی کیوں نہ ہو

عدالت کفار اور دشمنوں کی نسبت

عدالت کا اجراء نہ صرف دوست کے متعلق اور طبیعی حالت میں ، بلکہ جنگ کی حالت میں اور دشمن کے متعلق بھی اس کی تاکید کی گئی ہے ۔

۱۔ " فان قاتلوکم فاقتلوھم ۔ کذلک جزا الکافرین " (بقرہ / ۱۹۱) اگر دشمن تم سے لڑے تم بھی ان سے لڑو ۔ہاں ! کافروں کی جزا یہی ہے ۔ عدالت یہاں پر مارنا ہے اور اس کے علاوہ پشیمانی اور بد حالی کا سبب ہے لیکن کسی بھی صورت میں حملہ آپ کی طرف سے نہ ہو بلکہ اگر انھوں نے حملہ کیا ہے تو آپ اس کا مقابلہ کریں ۔

۲۔ " ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیّہ سُلطاناً فلا یسرف فی القتل " (اسراء / ۳۳) اور جو شخص بے گناہ اور مظلوم مارا جائے گا تو ہم نے اس کے وارث کو برتری اور کچھ اختیارات قرار دیں گے (اگر وہ چاہے قصاص اور انتقام لے اور اگر وہ چاہے تو خون بھاء لے ...) لیکن مقتول کے اولیاء اور سرپرست اس بات کا حق نہیں رکھتے کہ انتقام لینے اور قتل کرنے میں اسراف اور زیادتی اختیار کریں ۔ یہ آیت جاہلیت کے دور کے ایک خاص تعصّب کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگر ایک شخص ایک قبیلے سے مارا جاتا تھا تو قبیلے کے تمام لوگ کھڑے ہو جاتے تھے اور جب تک چند آدمیوں کو اس ایک آدمی کے انتقام کے بدلے قتل نہ کردیتے تھے ، اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھتے تھے ۔ لیکن اس غیر مناسب تعصّب کے مقابلے میں قرآن ، عدالت کا حکم دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے " فلا یسرف فی القتل " قصاص اور انتقام لینے میں اسراف نہ کریں ۔آپ صرف یہ حق رکھتے ہیں کہ اسی قاتل کو اس کی سزا تک پہنچائیں ۔

حضرت علیؑ ضربت کھانے کے بعد اپنے دونوں بیٹوں امام حسنؑ اور امام

حسینؑ کو اپنی وصیت میں اپنی ہدایات کے ضمن میں یہ تاکید فرماتے ہیں " لا تقتلنّ بی الاّ قاتلی " میری شہادت کی وجہ سے قتل عام کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا بلکہ اسی میرے قاتل ابن ملجم کو قتل کرنا پھر فرماتے ہیں " فاضربوہ ضربةً بضربةٍ " یعنی اس نے مجھے ایک ہی ضرب لگائی ہے، آپ بھی اس کو ایک ہی ضرب لگائیں (نہج البلاغہ صبحی صالح صفحہ ۴۲۲) ہاں حضرت علیؑ اپنے خون میں غلطاں تھے لیکن ہرگز عدالت کے مرکز و محور سے خارج نہ ہوئے۔

۳۔ اسلام کی نوآوری میں سے ایک چیز یہ ہے کہ ایک وسیع علاقہ کو حرم کے نام سے قرار دیا اور جنگ و لڑائی اس علاقے میں بالکل ممنوع قرار دیدی ہے، وہ جگہ ایک آزاد زمین ہے جہاں حیوان کا شکار بھی ممنوع ہے۔ اس کی گھاس کو زمین سے اکھیڑنا جائز نہیں ہے لیکن اس کے باوجود قرآن ارشاد فرماتا ہے " اگر اسی علاقہ میں دشمن آپ پر حملہ کرے تو آپ اپنا دفاع کریں اور اگر وہ قتل کرنے کا اقدام کریں تو تم بھی ان کو قتل کرو، کیونکہ کافروں کی سزا یہی ہے " (بقرہ / ۱۹۱)

۴۔ اگر وہ آپ پر تجاوز کریں تو آپ بھی اسی مقدار میں ان پر تجاوز کا حق رکھتے ہیں " فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیه بمثل ماعتدیٰ علیکم واتقوا اللّٰہ " (بقرہ/ ۱۹۳)

۵۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان مخالفین کے متعلق جنہوں نے غلط کام کرنے، وقتل وغارت اور خدا کے بندوں کو ان کے گھروں سے نکالنے میں شرکت نہیں کی ان کے ساتھ عدالت سے پیش آئیں " لا ینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین

.ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم و تقسطوا الیھم . ان اللہ یحب المقسطین " خداوندعالم ان لوگوں سے انصاف اور نیکی کرنے سے تم کو منع نہیں کرتا ہے جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے لڑائی نہیں کی ہے اور نہ تم کو تمہارے شہر سے نکالا تم کو چاہیے کہ ان بے ضرر مخالفین سے عدالت و انصاف کے ساتھ پیش آو کیونکہ خدا وند انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے " (ممتحنہ / ۸)

۶ ۔ قرآن کریم میں ایک دوسری جگہ ہم پڑھتے ہیں " وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم بہ " اگر آپ معاف اور صبر کرنے والے نہیں ہیں اور حتماً بدلہ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ویسا ہی بدلہ لیں جیسا کہ ان کی طرف سے آپ پر سختی اور زیادتی کی گئی ہے نہ اس سے سخت تر، بہر حال اگر صبر کریں تو بہتر ہے " ولئن صبرتم لھو خیرالصابرین " (نحل / ۱۲۵)

۷ ۔ سورۂ مائدہ میں ہم پڑھتے ہیں "لایجرمنکم شنان قومٍ علیٰ الاّ تعدلوا" (مائدہ / ۸)ایک قوم کے ساتھ دشمنی تم کو بے انصافی کی طرف مجبور نہ کردے ۔

۸ ۔ اگرچہ آیات اس سلسلے میں بہت زیادہ ہیں لیکن ہم ایک اور آیت کو یہاں تھوڑی سے وضاحت کے ساتھ بیان کریں گے اور اس حصےّ کو تمام کرینگے ۔

" لاتقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمناً تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا " (نساء / ۹۴) یہ آیت ایک ایسے واقعہ کے سلسلے میں نازل ہوئی کہ جس کا خلاصہ یہ ہے :

پیغمبر اسلامؐ نے کچھ لوگوں کو خیبر کے یہودیوں کی (پوزیشن واضح) کرنے

کیلئے بھیجا. یہودیوں میں سے ایک نے اپنے اموال کو ایک پہاڑ کی پناہ میں قرار دیا اور مسلمانوں کے استقبال کیلئے آیا و اسلام کو ظاہر کیا بعض مسلمانوں نے جلدی کی اور کہا اس کا اسلام مکرو فریب اور دھوکا ہے اور وہ اپنی جان کے خوف اور اپنے اموال کی حفاظت کی خاطر ایسا اظہار کرتا ہے . اور آخر کار اس کو قتل کردیا . آیت نازل ہوئی . اس میں ارشاد ہوا کہ " جو شخص اسلام کا اظہار کرتا ہے اس کو نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے اور اس طرح اس کے قتل کرنے کی راہ کو تم اپنے لیے ہموار کرلو اور اس کو ناحق قتل کردو . اس کے اموال کو غنیمت کے طور پر لوٹ لو اور اس قسم کے احمقانہ فیصلوں سے پرہیز کریں . البتہ اس کے معنی یہ بھی نہیں ہیں کہ دشمن کی ہر بات کو جلد قبول کرلے اور اس کے مکر و فریب کے سامنے انسان فوراً سر خم کر دے ، کیونکہ اسی آیت کے آخر میں وارد ہوا ہے کہ اس قسم کے موارد میں ضروری ہے کہ آپ تحقیق و تفتیش کریں نہ کہ قتل کرنے میں جلدی سے کام لیں . اور نہ سادگی میں (شریفانہ طور پر) ہر قسم کے اظہار پر اعتماد کریں بلکہ درمیانی راستہ وہی سماجی عدالت کی حفاظت ہے . تحقیق اور جستجو ہے . یہ ہے ہمارا عقیدہ اور یہ ہے ہماری سماجی عدالت . جنگوں کے متعلق اور مخالفین کے متعلق ، کہ بے ضرر لوگوں کی نسبت عدالت و محبت سے پیش آئیں اور دشمن و تکلیف پہونچانے والے افراد کے متعلق شدت و سختی سے مقابلہ کریں .

خون بھاء اور قصاص سماجی عدالت کا ضامن ہے " ولکم فی القصاص حیوۃ یا اولی الالباب " (بقرہ / ۱۷۹) لغت میں قصاص کے معنی بعد میں آنے کے ہیں ،

کیونکہ مقتول کے وارث قاتل کے متعلق اسی عمل کو انجام دیتے ہیں اور حقیقت میں اس (قاتل) کے عمل کی پیروی کرتے ہیں . لہذا ان کے عمل کو قصاص کہا جاتا ہے . جاہل عرب کی یہ عادت تھی کہ اگر کوئی انمیں سے مارا جاتا تھا اور وہ یہ ارادہ کرتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو اس کی تلافی کریں اور یہ طرز فکر اسقدر آگے بڑھ گیا تھا کہ ایک شخص کے قتل ہو جانے کی خاطر وہ لوگ حاضر تھے قاتل کے تمام خاندان والوں کو نابود کر دیں . مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اس نے قصاص کے منصفانہ و عادلانہ حکم کو بیان کیا .

اسلامی قصاص کا قانون بہت منصفانہ ہے کیونکہ نہ صرف یہودیوں کی طرح قصاص پر تکیہ کرتا ہے اور نہ موجودہ عیسائیوں کی طرح عفو و درگذر اور دیت (خون بہاء) کے راستے کو اپنے ماننے والوں کیلئے اعلان کرتا ہے ، کیونکہ کبھی قصاص پر سختی بعض مفاسد پیدا ہونے کا باعث ہو جاتی ہے اور اس کا حتمی ہونا عقل سے بعید ہے مثلاً قاتل اور مقتول اگر آپس میں بھائی یا رشتہ دار ہوں اور اس صورت میں قصاص لینے پر سختی کرنا خاندان والوں کیلئے مزید غم و اندوہ کا سبب بن جاتا ہے اور دوسری طرف در گذر کرنا یا دیت پر اکتفا کرنا قاتل اور دوسرے ظالموں کو (قتل پر) جری بنانا ہے لہذا اسلام نے اصل حکم قصاص کو قرار دیا لیکن اس کے ساتھ عفو اور خون بہاء کو بھی قرار دیا اور مقتول کے وارثوں کو اختیار دیا کہ قصاص ، دیت یا عفو میں سے جو چاہیں اختیار کریں .

قرآن کریم میں متفرقہ قصاص

"وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص فمن تصدق بہ فہو کفارۃ لہ"

[illegible]

دونوں سزائیں مخصوص نہیں ہیں بلکہ توریت میں بھی اس کا بیان آیا ہے

تفسیر [illegible] سورۃ المائدہ

اگر کوئی شخص عمداً کسی بے گناہ کو قتل کرے مقتول کے وارث قاتل کو پھانسی کی سزا دے سکتے ہیں " وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس " اگر کوئی شخص دوسرے کی آنکھ کو زخمی کرے اور اس کو ختم کردے دوسرا شخص بھی بدلے کی آنکھ کو ختم کر سکتا ہے " والعین بالعین " تک کہنے سے

بدلے میں جائز ہے ناک ہی کاٹی جائے " والانف بالانف " کان کاٹنے کے بدلے میں کا کان ہی کاٹنا جائز ہے " والاذن بالاذن " اگر کسی کے دانت توڑے گئے ہیں تو وہ بھی جانی کے دانت توڑ سکتا ہے " والسن بالسن ".

خلاصہ یہ کہ جو شخص کسی دوسرے کو زخمی کرے تو اس کا ویسا ہی بدلہ لیا جا سکتا ہے " والجروح قصاص " لہذا قصاص کا حکم منصفانہ طور پر اور بغیر کسی رنگ و نسل و سماجی طبقہ بندی کے فرق کے ساتھ اجراء ہونا چاہئے.

عبادت میں میانہ روی

ضروری ہے کہ اس موضوع کی جانب بھی ہم توجہ کریں کہ جس کے بارے میں ہماری روایات میں بہت تاکید ہوئی ہے اگر کبھی روحانی اعتبار سے بعض غیر واجب (مستحب) عبادتوں کیلئے آپ آمادہ نہیں ہیں ان کو اپنے اوپر نہ لادیں اور بوجھ نہ بنائیں ، اور آپ کوشش کریں کہ عبادت کو نشاط و فرحت اور دل کی آمادگی کے ساتھ انجام دیں امام صادقؑ نے فرمایا ہے " لا تکرھوا الی انفسکم العبادہ " (کافی جلد ۲ صفحہ ۸۶) عبادت کو اپنے اوپر نہ لادیں اور دوسری حدیث میں ہم پڑھتے ہیں " لا تکرھوا عبادۃ اللہ الی عباد اللہ " اور عبادت خدا کو اُس کے بندوں پر نہ لادو اور بالخصوص بچوں کی تربیت کے سلسلے میں سفارش ہوئی ہے کہ ان کو زیادہ آزادی دیں اور وہ عبادت جو واجب نہیں ہے ان پر سختی کے ساتھ بار نہ کریں اور اس سلسلے میں بھی حدیث موجود ہے.

تعریف و اعتراض میں میانہ روی اور عدالت

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کہ اعتدال و میانہ روی اور عدالت کی مراعات ہر مسلمان کی زندگی میں ہونی چاہیے۔ وہ مسائل جن پر دقیق توجہ رکھنی چاہیے وہ یہ کہ غیر مناسب تعریف اور وہ بے جا اعتراضات کہ جن کا معاشرے اور سماج پر بُرا اثر پڑتا ہے ان سے اجتناب کرنا چاہیے حضرت علیؑ فرماتے ہیں " الثناء باکثر من الاستحقاق ملق وا لتقصیر عن ا لاستحقاق عی او حد " (حکمت ۳۴۹ / از نہج البلاغۃ فیض الاسلام صفحہ ۱۲۴۹) اگر آپ کسی کی تعریف اس کی لیاقت سے زیادہ کریں تو آپ تملّق پرست اور چاپلوس ہیں اور جو شخص مدح و تعریف کا مستحق ہے اس کی کم تعریف کریں تو آپ عاجز ہیں یا حاسد، کہ آپ کی روح دوسروں کی تعریف برداشت کرنے کی ہمّت نہیں رکھتی، لہذا دوسروں کی مدح و تعریف میں ہمیں عدالت و انصاف کو مدنظر رکھنا چاہیے ورنہ دونوں عیوب میں سے کسی ایک میں ہم مبتلا ہو جائیں گے۔

عدالت محبت اور اعتراض کے بارے میں

اعتراض کرنے میں بھی عدالت کو (مدّ نظر) رکھنا چاہیے، حضرت علیؑ نے فرمایا " الافراط فی الملامة یشبّ نیران اللجاجة " (تحف العقول بہ نقل از کودک) سرزنش کرنے میں افراط اس بات کا باعث بن جاتی ہے کہ طرف مقابل میں ضد و ہٹ دھرمی کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس میں انفجار (پھٹنے) کی کیفیت پیدا ہو جاتی

ہے . اور ماں ، باپ کو ان مسائل میں خاص طور پر وقت سے کام لینا چاہیے کہ حد سے زیادہ محبّت بچے کے سست ہونے کا سبب بن جاتی ہے اور پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ " آخری زمانے کے والدین پر افسوس کہ بچوں کی نسبت ان کی حد سے زیادہ محبت ، ان کی خود خواہی کا سبب بن جاتی ہے . " اور دوسری طرف بچے کو محبّت کی کمی کا احساس نہ ہونے پائے ، کیونکہ حدیث میں ہم پڑھتے ہیں " من کان له صبیّ صبا " جو شخص فرزند رکھتا ہے اس کو بھی بچے کی طرح ہونا چاہیے . محبّت کرنے میں ، بات چیت کرنے میں اور کھیلنے کودنے میں ان کے ساتھ ان کا ہم قدم ہونا چاہیے اور اس طرح ان کی روحانی و باطنی ضرورتوں کو پورا کرنا چاہیئے .

اخراجات میں میانہ روی

اگر چہ ہماری گفتگو اس حصے میں ، سماجی عدالت سے متعلق ہے لیکن بعض دوسری مفید یاد دہانیاں قرآن مجید اور روایات سے استفادہ کیلئے نقل کرتے ہیں جو ہمارے مسئلے سے متعلق ہیں . ان مسائل میں ایک مسئلہ زندگی کے اخراجات کی عدالت کا ہے اسلام نے اس سلسلے میں بھی دوسرے موارد کی طرح درمیانی راستے کو اختیار کیا اور نیک لوگوں کی تعریف میں یوں ارشار فرمایا ہے " والذین اذا انفقوا لم یسرفوا و لم یقتروا و کان بین ذالک قواما " (فرقان / ۶۷) وہ لوگ جو خرچ میں اسراف کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں اور بخل و کنجوسی سے پرہیز کرتے ہیں . اور وہ خرچ میں درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں .

خداوند سورۂ بنی اسرائیل (اسراء) میں اپنے پیغمبرؐ سے اسطرح خطاب فرماتا

ہے " لا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک و لاتبسطھا کل البسط " (اسراء / ۲۹) خرچ کرنے میں تم اپنے ہاتھ کو گردن سے نہ باندھ لو۔ (بخل اور کنجوسی کی طرف اشارہ ہے کیوں کہ جو ہاتھ گردن سے بندھا ہے وہ جیب کی طرف نہیں جاتا ہے) اور دوسری طرف یہ حکم ہے کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے اس کو خرچ مت کرو، کیونکہ ممکن ہے چند روز کے بعد تو حاجتمند ہو جائے، زندگی میں درمیانی راستہ " الاقتصاد فی المعیشہ " کے عنوان کے تحت ہمارے ہاں بہت زیاد روایات موجود ہیں۔

گھر کی چار دیواری میں عدالت

" وان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ " (نساء/ ۳) اگر اس بات سے ڈرتے ہو کہ اپنی بیویوں کے درمیان عدالت قائم نہ رکھ سکو گے، تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرو۔

پیغمبر گرامی اسلامؐ حتی اپنی عمر کے آخری دور میں جب کہ بیمار تھے اپنی بیویوں کے درمیان عدالت کی مراعات کرتے تھے اور ان کی بیماری کی حالت میں ان کے بستر کو ہر رات ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جو جس بیوی سے مربوط ہوتا، منتقل کرتے تھے (نظام حقوق زن) پیغمبر اکرمؐ کے بیوی عائشہ کہتی ہیں " پیغمبر اکرمؐ کسی ایک بیوی کو دوسری پر ترجیح نہ دیتے تھے اور سب کے ساتھ مساوی برتاؤ رکھتے تھے۔ ہر روز سب کے پاس جاتے اور ان کی مزاج پُرسی کرتے تھے لیکن ہر ایک کے کمرے میں سونا نوبت سے تھا۔ اگر نوبت کو بدلنا چاہتے تھے تو

اس نوبت والی بیوی سے اجازت لے لیتے تھے " پھر عائشہ کہتی ہیں " میں نے خود اپنی نوبت کسی دوسری کو نہ دی " (نظام حقوق زن) حضرت علیؑ کی جس زمانے میں دو بیویاں تھیں حتی اگر وضو کرنا چاہتے تھے تو اس عورت کے گھر میں وضو نہیں کرتے تھے جس کی ہاں نوبت نہ ہوتی تھی .

ہاں عدالت کو خون کی طرح معاشرے کی تمام رگوں اور سبھی پہلوؤں میں جاری ہونا چاہیے .

اقتصاد میں عدالت

اسلام کا اقتصادی نظام بھی عدالت کی بنیاد پر قائم ہے ، یعنی ایسا نظام بنایا گیا ہے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو اور ہر صاحب حق اپنے کام یا ضرورت کے مطابق دینی زندگی کو آسانی کے ساتھ گذار سکے .

کام کی مقدار

اسلام میں اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ اپنی یومیہ اوقات کو کچھ موضوعات کیلئے تقسیم کر دیں . کچھ گھنٹوں کو کام کیلیے بعض کو عبادت اور بعض کو تفریح و حلال لذت کیلئے مخصوص کردیں تاکہ اس طریقے سے اپنی تمام معنوی اور مادی ضروریات پوری ہوجائیں (نہج البلاغہ فیض الاسلام صفحہ ۱۲۰۷) اگر بعض لوگوں کے کام کی مقدار اس حد تک پہنچ جائے جو کام کاج کے میدان کو دوسروں پر تنگ کر دے تو ، ولی فقیہ اور حاکم اسلامی اس کو کنٹرول کرسکتے ہیں مثلاً اگر بعض لوگ بہت

ساری بنجر زمین کو آباد کریں اس قانون کے مطابق کہ " من احیا ارضاً مواتاً فھی لہ" جو شخص بنجر زمین کو آباد کرے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے وہ اس کے مالک ہو جائنگے . لیکن اگر یہ ان کا آباد کرنا دوسرے لوگوں کے محروم ہونے کا باعث بن جائے اور تعادل بر قرار نہ رہے توحکومت اسلامی اور ولایت فقیہ ان کے آباد کرنے کو منصفانہ طور پر محدود کرسکتے ہیں اسلام نے کام کی نوعیت میں بھی غلط و باطل و تخریبی و فریبی کاموں کو ممنوع قرار دیا ہے.

تقسیم کرنے میں عدالت

حضرت علیؑ فرماتے ہیں : " ان للاقصی مثل الذی للادنی " (نہج البلاغہ صبحی صالح / نامہ بہ مالک اشتر صفحہ ۴۳۸) ملک کے دور دراز علاقے میں وہی چیز تقسیم ہونا چاہیے جو ملک کے نزدیک ترین حصّے میں تقسیم ہوتی ہے . حکومت کا سرمایہ یکساں طور پر سب لوگوں کیلئے خرچ ہونا چاہیے اور ایسا نہ ہونا چاہیے کہ جو لوگ حکومت کے مرکز سے نزدیک تر ہیں وہ زیادہ حصّے سے فائدہ اٹھائیں .بعض انبیاء جیسے حضرت شعیبؑ کا توحید اور نبوت کے بعد سب سے پہلا پیغام تقسیم کرنے میں عدالت کے متعلق تھا اور کم فروخت کرنے والوں کو ان کا پیغام آگاہ کرنے کے طور پر تھا ،"اوفوا الکیل ولا تکونوا من المخسرین وزنوا بالقسطاس المستقیم و لاتبخسوا الناس اشیائھم و لاتعثوا فی الارض مفسدین" (شعراء/ ۱۸۰ _ ۱۸۳) لوگوں کا حق ادا کرنے میں پیمانے کو برابر رکھا کریں اور اس سے کچھ کم نہ کریں اور صحیح اور درست ترازو کے ساتھ وزن کیا کریں اور جو مقدار ادا کرنا چاہیں اس میں سے کسی چیز کو کم نہ

کریں اورکم ناپ و تول کے ذریعہ زمین میں فساد بر پا نہ کریں ہم سورۂ مطففین میں پڑھتے ہیں "ویل للمطففین " کم بیچنے والوں پر وای ہو کیونکہ ان کےدینے اور لینے میں باہم فرق ہے لینے کے وقت پورا لیتے ہیں اور دینے کے وقت کم دیتے ہیں.

فائدہ اٹھانے اور خرچ کرنے میں عدالت

خرچ کرنے کی مقدار میں بھی عدالت کو مدنظر رکھنا چاہیے قرآن واضح طور پر کچھ آیات میں اس طرح ارشادفرماتا ہے " کلوا من ثمرہ اذا اثمر و آتوا حقہ یوم حصادہ" (انعام/ ۱۴۱) جوں ہی درخت پھل لائیں آپ بھی ان سے استفادہ کریں اور میوے توڑنے کے دن ہی محرومین کے حصے کو بھی ادا کردیں ، دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے " کلوا واشربوا و لاتسرفوا "کھاو اور پیو لیکن اسراف نہ کرو (اعراف/ ۳۱) "کلوا من طیبات ما رزقناکم ولاتطغوا فیہ" پاک و پاکیزہ اور دلپسند غذائیں جو ہم نے تم کو عطا کی ہیں ان سے استفادہ کرو اور اپنے خرچ و فائدہ اٹھانے میں سرکشی اور تجاوز و بغاوت کا راستہ اختیار نہ کرو (طہ/ ۸۱) حضرت علیؑ متقی و پرہیزگار لوگوں کی علامات اور صفات کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں " وملبسھم الا قتصاد " (اصول کافی /جلد ۲) وہ سادہ لباس سے استفادہ کرتے ہیں . امام صادقؑ فرماتے ہیں " لواقتصد الناس فی المطعم لا ستقامت ابدانھم " (النظام التربوی فی الاسلام صفحہ ۳۷۶ بہ نقل از فصول المھمۃ) اگر لوگ غذا کے مصرف میں میانہ روی اختیار کریں تو ان کا بدن پائیدار اور سالم باقی رہے گا . مقدارمصرف بیان کرنے کے علاوہ قرآن نے اس کی حالت پربھی زور دیا ہے اور فرماتا ہے کہ "آپ کے

مصرف کرنے کی غذا حلال بھی ہونی چاہیے اور پاک اور دلپسند بھی ہونی چاہیے " (انفال / ۶۹) اور اس کے مہیا کرنے میں تقویٰ کو بھی مدّ نظر رکھنا چاہیے ۔

پیغمبرؐ و ائمہؑ اور فقہاء ، عدالت کے محافظ ہیں

عدالت کے قائم کرنے کیلئے انبیاءؑ کے حکم کو دیکھیں :

کیونکہ زندگی میں لوگوں کے منافع کے درمیان تضاد اور اختلاف ہے اور مجبوراً لڑائی اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں ، طرفین میں سے ہر ایک خود کو صاحب حق سمجھتا ہے اور یا حاضر نہیں ہے جو بات اسنے کہی ہے اس سے پیچھے ہٹ جائے ، یہاں پر عدالت قائم کرنے کیلئے اسلام نے لوگوں کو انبیاءؑ کی طرف رجوع کرنے کو کہا ہے اور فرمایا ہے " فان تنازعتم فی شیٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر " (نساء/ ۵۹) اگر تم کسی بات کے بارے میں آپس میں لڑ پڑو تو خدا اور پیغمبرؐ کی طرف رجوع کرو ، آپ کا رجوع کرنا خدا و قیامت پر آپ کے سچے ایمان کی نشانی ہے ، اور اس حدیث پر توجّہ رکھتے ہوئے کہ جس میں ارشاد ہوتا ہے " العلماء ورثۃ الانبیاءؑ " (ولایت فقیہ - امام خمینیؒ) جھگڑے کے مواقع پر جہاں عدالت کی حد سے انحراف کا خطرہ اور دوسروں کے حقوق پامال ہونے کا خوف در پیش ہو ، وہاں عادل علماء کی طرف رجوع کرنا چاہیے تاکہ وہ خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ کریں ۔

مسلمان نماؤں کی پہچان

جو شخص تنازعات میں علماء اور ذی صلاح لوگوں کی طرف رجوع نہ کرے اور جھگڑے کو ظالم و طاغوتی عدالتوں میں فیصلے کیلئے لے جائے اور ظالموں سے فیصلے اور عدالت کی امید رکھے ہو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ایمان پر نظرثانی کرے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ مسلمان ہے " الم تر الی الذین یزعمون انھم آمنوا بما انزل الیک و ما انزل من قبلک یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت و قد امروا ان یکفروا بہ " (نساء / ۶۳) کیا ان لوگوں کو تم نے نہیں دیکھا ہے جو خیال کرتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور خدا کے فرامین جو تم پر اور تم سے پہلے پیغمبروںؑ پر نازل ہوئے ان پر ایمان رکھتے ہیں لیکن عملی طور پر وہ طاغوت کی طرف جھکاؤ پیدا کرتے ہیں ۔ اور اپنے جھگڑوں کو تمہارے پاس نہیں لاتے ہیں ۔ لوگوں کا یہ گروہ خیال کرتا ہے کہ وہ ایمان رکھتے ہیں لیکن وہ ہرگز مسلمان نہیں ہیں کیونکہ ہم نے ان کو حکم دیا کہ طاغوت اور ظالم کے پاس نہ جائیں اور انکا انکار کریں لیکن انھوں نے ہماری بات کو قبول نہیں کیا ۔

فقیہ ، سماجی عدالت پر حفاظت کا ذمہ دار ہے

خداوند عالم نے ہم کو پیدا کیا اور ہماری ابدی سعادت کے نظم کو پیغمبر اسلامؐ کے ذریعہ ہم پر واضح اور روشن کیا پیغمبرؐ معاشرے کے رہبر و پیشوا اور لوگوں کے حقوق کے محافظ اور ان کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں، پیغمبرؐ کے بعد ائمہؑ

کی نوبت آتی ہے کہ جو ہدایت کی ذمہ داری کو اپنے دوش پر لیتے ہیں اور امامؑ کی غیبت کے زمانے میں وہ ذمہ داری اسلام کی معرفت رکھنے والوں اور فقہاء کے دوش پر عائد ہوتی ہے کہ جو مکمل عدالت و لیاقت و سیاسی بینش اور مدیریت کے علاوہ حکم خدا کو قرآن کی آیات اور ائمہؑ کی احادیث کے درمیان سے نکال سکیں اور انھیں اس میدان میں کافی قدرت و تبحر کا مالک اور ماہر ہونا چاہیے تاکہ ان کو فقیہ کہا جاسکے۔ وہ پیغام جو حضرت مہدی علیہ اسلام سے نقل ہوا ہے اس میں تمام لوگوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ "واما الحوادث الواقعة فارجعوا فيها الى رواة احاديثنا" (کتاب اکمال الدین بہ نقل از ولایت فقیہ امام خمینیؒ) وہ حوادث جو پیش آتے ہیں ان میں جلد بازی اور خودغرضی سے کام نہ لیں اورحتماً ان عادل فقہاء کی طرف ان میں رجوع کریں جن کے اندر تم ہوا و ہوس نہ پاتے ہوں، تاکہ وہ خدا کے راستے اور اس کے حکم کو اس سلسلے میں تمہارے لیے بیان کریں۔

ولی فقیہ، سماجی عدالت کا مضبوط سہارا ہے

امام رضاؑ نے فرمایا " لو لم يجعل لهم اماماً قيّما، حافظاً، مستودعاً، لدرست الملة " (علل الشرائع جلد ۱/صفحہ ۱۶۳ بہ نقل از حکومت اسلامی امام خمینیؒ) اگر خداوند لوگوں کے لیے امام اور پیشوا قرار نہ دیتا جو ان کے امور کی زمام کو اپنے ہاتھ میں لیتا اور منصفانہ، عادلانہ نگرانی رکھتا تو نظام درہم و برہم ہو جاتا۔ دوسری حدیث میں ہم پڑھتے ہیں " الفقهاء امناء الرسل " (کتاب ولایت فقیہ امام خمینیؒ) فقہاء انبیاءؑ کے امین ہیں۔ اور ایک منصفانہ نظام کو قائم کرنے کیلئے ان کی طرف رجوع کرنا

چاہیے.

"ابوخدیجہ" جو امام صادقؑ کے معتمد ساتھیوں میں سے ہیں، امامؑ کی طرف سے وہ مامور ہوتے ہیں کہ لوگوں میں اعلان کریں کہ اپنے جھگڑوں میں عدالت اور حکم خدا کو قائم کرنے کیلئے صرف عادل فقہاء کی طرف رجوع کریں

" اجعلوا بینکم رجلاً قد عرف حلالنا و حرامنا فانی قد جعلته قاضیاً "

(ولایت فقیہ امام خمینی) صرف ایسے شخص کی طرف رجوع کریں جو ہمارے حلال و حرام سے خوب آگاہ ہو پس اس قسم کے لوگوں کو تمہارے لیے باعنوان قاضی منصوب کرتا ہوں.

کبھی معاشرے میں ایسے مسائل پیش آتے ہیں کہ ان کا صریح حکم قرآن یا حدیث میں نہیں ملتا ہے لیکن اس کے قواعد، اصول، معیار، اوراستنباط کے تمام راستے فقیہ کے ہاتھ میں ہیں جو ان کے ذریعہ اس مسئلے کے حکم کو پیدا کرتا ہے.

اگر کبھی معاشرہ اپنے امنیتی، اقتصادی یا سیاسی اعتدال کو ہاتھ سے گنوا دے تو وہ فقیہ کہ جو حقِ ولایت اور نظارت معاشرے پر رکھتا ہے وقتی طور پر اعتدال کو بر قرار رکھنے کیلئے ضروری احکامات صادر کرسکتا ہے کچھ معاملات کو حرام کر سکتا ہے عوام الناس کو دفاع کا حکم دے سکتا ہے، وقتی طور پر مالیات میں اضافہ کرسکتا ہے، بعض کمپنیوں ک بند کر سکتا ہے.

میرزای شیرازی نے جونہی دیکھا کہ ملک کی اقتصادی صورتحال تنباکو کے ذریعہ انگریزوں کے ہاتھ لگ گئی ہے، تو انھوں نے تنباکو نوشی کی حرمت کا فتویٰ دیکر

اس ظالم و ستمگر حکومت پر راستہ بند کردیا ۔ امام خمینیؒ نے حکومت شہنشاہی کی چھاؤنیوں سے فوجیوں کے بھاگنے کا حکم صادر کیا اور سابق شاہ کو تخت حکومت سے معزول کر دیا ۔ حضرت علیؑ نے گھوڑوں کیلئے بھی زکوۃ اسلامی اور ٹیکس مقرر فرمایا اور جونہی ان سے سوال ہوا کہ پیغمبرؐ نے گھوڑوں کیلئے کیوں زکوۃ مقرر نہیں فرمائی تو آپ نے فرمایا " میں مؤمنین پر ولایت رکھتا ہوں اور اس سال جو استثنائی صورت حال سامنے آئی ہے اپنے حق ولایت سے استفادہ کرسکتا ہوں اور بیت المال کیلئے مزید سرمایہ مہیا کرنے کیلئے گھوڑوں کی زکوۃ کو مقرر کرسکتا ہوں. (وسائل الشیعہ)

خاتمہ

ایک حقوقی داستان یا ایک فقہی قاعدہ

دیگر بہت سی آزادیوں کے ساتھ جو اسلام نے انسان کو عطا مقرر کی ہیں ، ایک گھر کی آزادی ہے کوئی شخص حق نہیں رکھتا کہ گھر کے مالک کی اجازت کے بغیر گھر میں داخل ہو جائے " لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستانسوا " (نور ۲۷) گھر کے مالک کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں داخل نہ ہوں لیکن ایک ضدی اور سرکش مرد بنام " سمرہ " کبھی کبھی بغیر اجازت کے پیغمبر اسلامؐ کے صحابی کے باغ میں جاتا اور اس کی بیوی اور بچوں کو چھپ کر دیکھتا تھا ، اس کا بہانہ اس

غلط عمل کیلئے یہ تھا کہ میرا اس باغ کے ایک کونے میں ایک درخت ہے. اور اس کو دیکھنے کیلئے میں باغ میں آتا جاتا ہوں . پیغمبر اکرمؐ کے صحابی نے اس سے کہا : درخت دیکھنے کیلئے کوئی مانع نہیں ہے ، لیکن باغ میں آنے سے پہلے میرے بیوی بچوں کو آگاہ کر دیا کرو تا کہ وہ پردہ کرلیں . سمرہ نے کہا کوئی ضروری نہیں ہے . باغ کے مالک نے یہ شکایت پیغمبر اکرمؐ کے پاس کی .آنحضورؐ نے اس کو بلایا اور نصحت فرمائی . اس نے نصحیت کو قبول نہ کیا پیغمبرؐ نے فرمایا کہ " اس درخت کو ایک دوسرے درخت سے جو دوسری جگہ ہے بدل لو ". اس پر قبول نہیں کیا . رسول اکرمؐ نے فرمایا " تو اپنے درخت کو اسے بیچ دے ". پھر بھی وہ شخص راضی نہ ہوا . پھر حضورؐ نے فرمایا کہ "کم از کم اس کی اجازت سے باغ میں جاؤ اس نے قبول نہ کیا . پیغمبرؐ نے فرمایا " اس درخت کو چھوڑ دو ، اس کے بدلے میں تمہارے لیے بہشت میں ایک درخت کی ضمانت لیتا ہوں ". پھر بھی اس نے ضد کی . پیغمبرؐ سمجھ گئے کہ اس کا مقصد نقصان پہنچانا اور ہٹ دھری ہے پھر پیغمبرؐ نے باغ کے مالک کو حکم دیا کہ اس کے درخت کو کاٹ دو . (وسائل الشیعہ جلد ۱۷ صفحہ ۳۴۰)

" لاضرر ولاضرار فی السلام "

عدالت سے انحراف کے عوامل

معمولاً تین اہم عامل عدالت سے انحراف کیلئے پائے جاتے ہیں اور کہ قرآن مجید نے تینوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے :

انحراف کا پہلا عامل ، حب ذات ، تعلقات اور روابط ہیں . قرآن اس بارے

میں فرماتا ہے "یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین بالقسط شهداء لله و لو علی انفسکم او الوالدین و الاقربین ان یکن غنیاً او فقیراً فالله اولیٰ بهما" (نساء/ ۱۳۵) اے ایمان لانے والو مکمل طور پر عدالت کو قائم کرو اور تمہاری گواہیاں صرف خدا کیلئے ہوں، اگر چہ سچی گواہی تمہارے لئے یا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں کے ضرر میں تمام ہو۔ اور فقیر یا غنی ہونے کا مسئلہ تمہاری گواہی دینے پر اثرانداز نہ ہو، کیونکہ خدا زیادہ سزاوار ہے اس بات پر کہ وہ ان کی حمایت کرے۔ یعنی آپ کی ذمہ داری صرف حق سے دفاع کرنا ہے اور کسی بھی رشتے یا اقتصادی لحاظ کو اس میں مدّ نظر نہ رکھیں۔

یہ آیت خطرناک تعلقات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ خبردار! تمہاری دوستیاں اور جذباتی رشتے یا خاندانی مسائل تم کو عدالت کی حد سے دور کردیں۔

دوسرا عامل اس بارے میں کہ انسان عدالت کی راہ پر حرکت نہ کرے۔ بعض پریشانیوں کا ہے جو انسان کسی فرد یا کسی گروہ کی طرف سے برداشت کرتا ہے اور اس سلسلے میں قرآن ارشاد فرماتا ہے " یا ایها الذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط و لایجرمنکم شنان قومٍ علیٰ الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ" (مائدہ/ ۸) اے ایمان لانے والو تمہاری عدالت کی روش اخلاص اور منصفانہ گواہی پر مبنی ہو، کسی قوم کی سخت دشمنی عدالت کی حد سے تمہارے انحراف کا سبب نہ بن جائے۔ اور گذشتہ حسابات کو پورا ادا نہ کرپائیں، دوبارہ حکم فرماتا ہے کہ عدالت سے پیش آو جو تقویٰ و پرہیز گاری سے نزدیکتر ہے۔ اس آیت میں ایک

خاص توجہ ان شکایات ، ناراضگی اور عدالت کے مسئلہ کی طرف ہے جو بظاہر ہماری روش اور قضاوت و فیصلے پر اثرانداز ہوتی ہے ۔

تیسرا عامل جو انسان کو عدالت کے مرکز و محور سے خارج کرتا ہے ، وہ رشوت کا مسئلہ ہے ، قرآن اس سلسلے میں اس طرح آگاہ فرماتا ہے " ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل و تدلوا بھا الیٰ الحکام لتاکلوا فریقاً من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون " (بقرہ / ۱۸۸) ایک دوسرے کے اموال کو آپس میں غلط و ناجائز طریقے سے نہ کھاو ، گناہ کے طور پر لوگوں کے اموال کا ایک حصہ کھانے کیلئے اس کا کچھ حصہ حکام و قضات کے پاس نہ لیجاو ، بالفرض قاضی تمہارے حق میں حکم صادر کردے تو تم جانتے ہو کہ یہ فیصلہ رشوت کی بنیاد پر ہوا ہے اور رشوت کے مال میں تصرف حرام ہے ۔ قاضی کا ظاہری حکم اس شخص کے بارے میں جو اپنے کو غلط سمجھتا ہے ، مالک ہونے کا سبب نہیں بنتا ۔ امام صادقؑ نے فرمایا " واما الرشا فی الحکم فھو الکفر باللہ العظیم" (وسائل جلد ۱۲) البتہ فیصلہ کرنے میں رشوت لینا خداوند عظیم پر کفر باندھنا ہے ایک مشہور حدیث جو رسول اکرمؐ سے نقل ہوئی ہے اس میں ہم یوں پڑھتے ہیں " لعن اللہ الراشی و المرتشی و الساعی بینھما " خداوند رشوت لینے اور رشوت دینے اور جو دونوں کے درمیان واسطہ بنے ، لعنت کرے اور ان کو اپنی رحمت سے دور رکھے ۔ واضح رہے کہ کبھی اس غلط عمل کو فریب دینے والے ناموں ، مانند " ھبہ ، تعارف ، حق و حساب ، حق الزحمہ ، مزدوری اور انعام کے ذریعہ " چھپایا جاتا ہے ۔ پیغمبر اسلامؐ کو خبر دی گئی کہ آپ

کے ایک فرماندار نے رشوت کو ہدیہ کی شکل میں قبول کیا ہے ۔ حضرتؑ غصہ ہوئے اوراس سے فرمایا جو چیز تیرا حق نہیں ہے اس کو توکیوں لیتا ہے ؟ اس نے کہا جو کچھ میں نے لیا ہے وہ ہدیہ ہے نہ کہ رشوت ! پیغمبرؐ نے فرمایا " ارایت لو قعد احدکم فی دارہ ولم نولہ عملاً أ کان الناس یھدونہ شیئا ؟ " اگر تم گھر میں بیٹھ جاو اور میری طرف سے کسی محل کے فرماندار بھی نہ ہو تو کیا اس صورت میں بھی لوگ تم کو ہدیہ دیں گے ؟ اسلام نے ہدایت کی ہے کہ قاضی ذاتاً و شخصاً بازار نہ جائے کہ ممکن ہے قیمتوں کی کمی نادانستہ طور پر اس پر اثر انداز ہو جائے اور فیصلہ و قضاوت کرتے وقت ، قیمت میں تخفیف کرنے والے کی طرفداری کرے ۔

وہ آیت جس نے پیغمبرؐ کو بوڑھا بنا دیا

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا " سورۂ ہود میں ایک آیت ایسی ہے جس نے مجھے بوڑھا اور ضعیف بنا دیا ہے اور وہ یہ ہے " استقم کما امرت " اس طرح استقامت رکھو جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے " اس آیت میں غور کرنے سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اصل استقامت و صبر کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے کیونکہ قرآن میں دوسری آیات بھی موجود ہیں جو پیغمبر اکرمؐ کو صبر و استقامت کا حکم دیتی ہیں ، اس آیت کی خصوصیت جملہ " کما امرت " ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ کبھی استقامت تعصب و ضد کی بنیاد پر ہے نہ کہ خدا کے حکم کی بنیاد پر ، اور کبھی استقامت و حوصلہ کی بنیاد لوگوں کی گفتگو پر بنی ہے کہ یہ نہ کہیں کہ فلاں شخص ڈر گیا یا تھک کر چھوڑ گیا ، کبھی استقامت اضطرار کی بنیاد پرہے اور کبھی قدرت ظاہر کرنے

کی بنیاد پر ہے . اور تمام صورتوں میں استقامت جو ہے وہ خدا کی نظر میں بے قیمت ہے .کیونکہ یہ چیز مدار حقیقت سے کافی دور ہے اور مسئلہ کا الٰہی پہلو ہونا بھی اس میں نہیں ہے . لہٰذا قرآن میں ہم پڑھتے ہیں "والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم" (رعد/ ۲۲) وہ لوگ جن کا صبر و حوصلہ و استقامت صرف رضاء خدا کیلئے ہے ، نہ انتقام لینے کیلئے اور نہ شہرت حاصل کرنے کیلئے اور نہ کسی طعنہ کے خوف سے بلکہ ان کی استقامت و پائیداری صرف خدا کیلئے ہے .

مختصر یہ کہ عدالت پر عمل کرنا اور الٰھی معیاروں کے مطابق اس پر چلنا ایک مشکل کام ہے کیونکہ اولیاء خدا اس پر عمل کرنے میں خدا سے مدد طلب کرتے ہیں . اور ممکن ہے اس صراط سے مراد جو قیامت میں بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے ، اور حتمی طور پر ہم سب اس پر سے گزریں گے وہ دنیا میں یہی الٰھی خط (روش) و مسیر ہو جو حقیقت میں بال سے باریک تر ہے .

سماجی عدالت کا قیام ایک عام نگرانی سے وابستہ ہے

ایک وقت سبھی گاڑیاں دائیں طرف سے چلتی ہیں تا کہ تمام ڈرائیور ایک دوسرے کی حرکات پر نظر رکھ سکیں اور جونہی وہ یہ دیکھیں کہ ایک ڈرائیور خلاف ورزی کررہا ہے سب ہارن بجائیں سب لائٹیں جلا کر غلطی کرنے والے کو آگاہ کریں ، اور ان سب کے باوجود پولیس طاقت کے ساتھ اس کام میں مداخلت کرکے اس پر جرمانہ کرے . اور اگر پولیس بے خبر ہے تو لوگ اس کی خلاف ورزی سے پولیس کو آگاہ کریں گے .

دیتے ہیں یہ مذکورہ مثال ایک نمونہ تھا اب اگر ہم چاہیں کہ سب لوگ تمام مسائل میں عدالت اور قانون کی حد سے باہر نہ جائیں تو ہمیں "امربالمعروف" (نیکی کی ہدایت کرنا) اور " نہی عن المنکر " (برائی سے روکنا) کے دو قوانین سے استفادہ کرنا چاہیئے اور ہم کسی بھی خلاف ورزی کے مقابلے میں خاموش اور بے توجہ نہ رہیں اور ہر شخص جس طریقے سے بھی وہ یہ کام انجام دے سکتا ہو اپنا ردعمل ظاہر کرے اور اس روش کی خلاف ورزی کرنے والے پر ہم قافیہ حیات تنگ کردیں گے اور اس کو صحیح سمت کی طرف چلنے کی ہدایت کریں گے .

اس دن کی امید میں جس دن ہمارا ثقافتی انقلاب ظفر مندانہ انداز میں دنیا کی تمام یونیورسٹیوں تک پہنچ جائے گا . یہ وہ دن ہے جب فارغ التحصیل ڈاکٹر اگر بیماری کو پہچان نہ پائے تو صدق دل سے اعلان کریگا کہ میں بیماری کو نہیں سمجھ سکا ہوں اور اخلاص کے ساتھ پیسہ واپس کردیگا . اور برادرانہ انداز میں بیمار کو کسی متخصص و ماہر ڈاکٹر کی طرف راہنمائی کریگا اور یہ وہ دن ہے کہ معاشرے میں سماجی عدالت و انصاف کے بہت سے نمونے دیکھنے کو ملیں گے .

عدل اور سماجی انصاف

حجۃ الاسلام والمسلمین محسن قرائتی

297.32
م 26 ع
80407